# Contents

## علمِ غیب:

اللہ سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے لہٰذا علمِ غیب کی تعریف اللہ کی نسبت نہیں ہے بلکہ انسان کی نسبت معلومات پوشیدہ اور غائب ہوتی ہے ۔

ہر وہ چیز اور علم جو انسان سے غائب اور پوشیدہ ہو اس کو غیب کہتے ہیں ۔ (مفرداِت القرآن – ~ مستنبط )

چونکہ غیب کے تعریف کی نسبت انسان سے ہے، تو پہلے انسان

کی اصلیت کو جاننا ضروری ہے کہ انسان کون ہے۔

انسان کی اصل روح ہے۔ بدن انسان (روح) کے لئے ایک آلا اور

سبب ہے جس سے روح ادراک کر سکتی ہے ۔

روح جب بلکل کسی بھی بدن سے جدا ہو (چاہے دنیاوی بدن ہو

یا برزخی بدن ہو یا آخرت والا بدن ہو) تو روح کسی بھی چیز کا

ادراک نہیں کر سکتی ہے، نہ سن سکتی ہے، نہ دیکھ سکتی ہے ،

نہ ارادہ کر سکتی ہے ۔

اب آپ روح کو بلکل جدا کرکے غیب کی تعریف اپلائی کریں

۔

تو اس لحاظ سے تمام معلومات، جو اللہ کے پاس ہے، روح کے لئے

غیب میں سے ہیں۔

)تمام معلومات سے تمام معلومات ہی مراد ہے کوئی بھی علم

اس سے مستثنیٰ نہیں ہے(

یہ دنیا دار الاسباب ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں (یعنی روح کو) اسباب

اور آلات کے ذریعے معلومات دے دیتا ہے ۔ مافوق الاسباب

معلومات حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کی خصوصیت ہے یہ غیر اللہ کو

ثابت کرنا شرک ہے ۔ جو ذات بغیر اسباب کے علم حاصل کرنے پر قادر ہو اس ذات کو عالم الغیب کہتے ہے۔

ان اسباب میں کچھ عام ہے جو ہر انسان کو میسر ہو سکتے ہیں اور کچھ خاص اسباب ہوتے ہیں جو خاص لوگوں کو میسر ہوتے ہیں ۔

عام اسباب اور آلات میں آنکھیں ، کان، دل، سائنسی آلات ، تجربات ، انٹرنیٹ ، لکھنا پڑھنا ، کتابیں وغیرہ شامل ہیں جن کے ذریعے ہم (یعنی روح) معلومات حاصل کر سکتے ہیں ۔

(عام اسباب سے مراد یہ نہیں کہ ہر کسی کے پاس سبب موجود بھی ہو، صرف اتنا ہو کہ تقدیر اور قانونِ الٰہی کے مطابق میسر ہونا ممکن ہو۔۔ قدرت کے مطابق تو وحی بھی ممکن ہے ہر شخص کو، کہ اللہ قادر ہے کسی کو بھی وحی کرے)

خاص اسباب میں وحی اور معجزہ شامل ہیں جو ہر کسی کو قانونِ الٰہی کے مطابق میسر نہیں کہ ان کا استعمال کرکے معلومات حاصل کریں۔

یہ اسباب انبیاء علیہم کو حاصل ہوتی ہے لیکن قرآن و حدیث میں یہ بھی ہے کہ یہ اسباب نبی کے مجازی اختیار میں بھی

نہیں ہوتا کہ جب چاہے وحی اور معجزہ کا استعمال کرکے کسی

بھی علم تک رسائی حاصل کر سکے بلکہ اللہ جب چاہے وحی اور

معجزہ کے ذریعے بعض معلومات نبی کو دے دیتے ہیں۔

) بعض معلومات سے بعض معلومات ہی مراد ہے تمام معلومات

نہیں ورنہ اللہ کا علم اور نبی کا علم برابر ہو جائے گا جو کہ

شرک فی العلم ہے۔ یہ نظریہ قرآن و حدیث میں بہت واضح ہے

اس لئے اس پر بحث نہیں کرتا میں۔۔۔ صرف اتنا کہوں گا کہ

وحی کے ذریعے جب بعض معلومات فراہم کی جاتی ہے تو اس سے

اگر تمام معلومات کے لئے دلیل بنایا جائے تو پھر سینکڑوں

آیات اور احادیث سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اور شرک کی تعریف

کی بھی دھجیاں اڑائی جائے گی۔۔۔ پھر بریلویوں والے شرک کی

تعریف رہ جائے گی ۔ شرک کی جو تعریف بریلویوں نے کی ہے،

عطائی اور ذاتی، اس تعریف کے مطابق صرف مجوس ہی

مشرک ہے باقی کوئی نہیں، مکہ کے مشرکین بھی نہیں لہٰذا

ذاتی اور عطائی کی تقسیم نامکمل ہے۔ ذاتی اور عطائی تقسیم

کے ساتھ مزید شرائط بھی ہے اس کے لئے میری کتاب "مائی

ورک ان اسلام جلد 1 " میں مسئلہ توحید و شرک ملاحظہ

فرمائیں (

کچھ معلومات ایسے ہیں کہ ان معلومات کو حاصل کرنے کے

لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو کوئی سبب میسر نہیں کیا ہے جس

سے انسان (روح) وہ علم حاصل کر سکے۔ مثلاً

قیامت کب آئے گی ۔

اس پوسٹ کا فائدہ:

علم غیب کے بارے جو شکوک وشبہات ہے وہ اصل میں علم

غیب کی تعریف اور انسان کی اصلیت نہ جاننے کی وجہ سے پیدا

ہوتے ہیں ۔

مثلاً: ماں کے رحم میں کیا ہے چودہ سو پہلے کوئی عام آلا اور

سبب نہیں تھا انسان کے پاس، جس سے معلوم کرتا۔ تو

قرآن و حدیث نے یہ علم غیب میں سے قرار دیا تھا لیکن آج

انسان کے پاس سبب ہے اس لئے یہ علم حاصل کیا جا سکتا ہے

۔ اسی طرح بارش کا بھی یہی ماجرا ہے ۔

جنہوں نے علم غیب کی تعریف غلط کی ہے یا بلکل سمجھتے ہی

نہیں تو وہ قرآن و حدیث میں شک کرنے لگتے ہیں کہ ایک

طرف قرآن و حدیث نے اس علم کو غیب قرار دیا اور دوسری

طرف آج یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ ماں کے رحم میں کیا ہے۔

اور جو اہل علم قرآن و حدیث میں شک نہیں کرتے لیکن

غیب کی تعریف بھی ٹھیک سے سمجھتے نہیں وہ ان آیات میں لمبی چوڑی تاویل کرتے ہیں تاکہ قرآن و حدیث پر اعتراض نہ ہو۔

اسی طرح چودہ سو سال پہلے دنیا کے دوسرے کونے کے معلومات حاصل کرنے کے لئے عام سبب نہیں تھا (سوائے خاص سبب کے یعنی وحی اور معجزہ کے) اس لئے عام انسان سے اس بارے میں پوچھنا بھی شرک تصور کیا جاتا تھا کیونکہ مافوق الاسباب معلومات حاصل کرنے کا وہم ہوتا تھا ۔۔ اور آج انٹرنیٹ (سبب) کے ذریعے معلوم کیا جاسکتا ہے ۔

## خلاصہ:

قرآن و حدیث میں جب کہا جاتا ہے کہ علم غیب اللہ کی خصوصیت ہے یا اکیلے اللہ ہی عالم الغیب ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اسباب اور آلات کے بغیر علم حاصل کرنا اللہ کی خصوصیت ہے ۔ مشرکین اپنے معبودانِ باطلہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہمارے معبود بغیر اسباب اور آلات کے ہماری پکار سے باخبر ہیں یعنی عالم الغیب سمجھتے ہیں ۔ اسباب اور آلات کے ذریعے معلومات حاصل کرنے والے کو عالم الغیب نہیں کہا جاتا۔

نوٹ:

قرآن و حدیث نے دلیل کی اہمیت پر بہت زور دیا ہے ۔ مثلاً

جب کوئی دعویٰ کرے کہ مثلاً لوئی زوان رحمتہ اللہ علیہ

ہماری پکار سے اسباب اور آلات کے ذریعے باخبر ہوتا ہے ۔ تو یہ

دلیل پیش کرنا ہوگا کہ کونسا سبب اور آلا ہے لوئی زوان کے

پاس۔۔ بلا دلیل عمل بدعت کے زمرے میں آتا ہے ۔

اور اگر مخلوق کے بارے میں بغیر اسباب کے باخبر ہونے کا

عقیدہ رکھے تو یہ تو صریح شرک ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

## مخلوق کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا مخلوق کی (بواسطہ) گستاخی ہے

کیسے۔۔ آئیے دیکھتے ہیں۔

صحیح بخاری **2617** کے مطابق نبی کریم ﷺ نے زہر ملا گوشت کھایا۔ اور اللہ نے معجزۃً خبردار کیا۔

اب اگر نبی ﷺ عالم الغیب تھے تو پھر نبی کریم ﷺ نے جان بوجھ کر زہر کھایا جو کہ خودکشی ثابت ہوتی ہے۔

یہ بھی (بواسطہ) گستاخی ہے۔

اسی طرح صحیح بخاری - **4090** کے مطابق **70**

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو دھوکے سے قتل کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ایک مہینے تک بددعا کی۔

اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ

کو بھیجنا لا پرواہی تھی بلکہ قتل کروانے میں مدد کی۔

جو کہ گستاخی ہے۔

بریلوی کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری عمر میں علم غیب

یعنی تمام معلومات دئیے گئے ۔

مندرجہ ذیل آیت میں خوب غور کریں ۔

وَاَعِدُّوۡا لَهُمۡ مَّا اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ قُوَّةٍ وَّمِنۡ رِّبَاطِ الۡخَيۡلِ تُرۡهِبُوۡنَ بِهٖ

عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمۡ وَاٰخَرِيۡنَ مِنۡ دُوۡنِهِمۡ ۚ لَا تَعۡلَمُوۡنَهُمۡ ۚ اَللّٰهُ يَعۡلَمُهُمۡ ؕ

(الانفال **(60 -**

ترجمہ:

اور اپنی استطاعت کے مطابق زور سے اور گھوڑوں کے تیار

رکھنے سے ان کے (مقابلے کے) لئے مستعد رہو کہ اس سے خدا کے

دشمنوں اور تمہارے دشمنوں اور ان کے سوا اور لوگوں پر جن

کو تم نہیں جانتے اور خدا جانتا ہے ہیبت بیٹھی رہے گی۔

اس آیت کریمہ میں اللہ نے عمومی طور پر مومنین سے کہا ہے

کہ اپنی استطاعت کے مطابق جہاد کی تیاری کرو تاکہ خوف

میں رہے (نہ کہ دہشت میں رہے) وہ محاربین جو موجودہ ہے اور

جو آئندہ پیدا ہوں گے ۔

بریلویوں کے مسلک کے مطابق جب نبی کریم ﷺ عالم

الغیب ہے تو

غور کیا جائے

تو یہ صاف معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی استطاعت

کے مطابق جہاد کی تیاری نہیں کی کیونکہ نبی کریم ﷺ

بندوق ، پستول ، دوسرے سیکیورٹی وسائل وغیرہ بنانا جانتے

تھے، یہاں تک کہ ایسے سیکیورٹی وسائل بھی جو ابھی تک

ایجاد نہیں ہوئے ہیں وہ بھی جانتے تھے۔ آخری عمر میں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو اسلحہ بنانے کا طریقہ بتا سکتے تھے تاکہ

آنے والے محاربین خوف میں رہتے اور مذکورہ بالا آیت پر نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمل پھیرا ہوتے۔

لیکن بریلویوں کے مسلک کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

مذکورہ بالا آیت پر عمل کرنے میں کوتاہی کی ۔

اسے کہتے ہیں بڑھا چڑھا کر پیش کرنے والا خود (بواسطہ)

گستاخی کرتے ہیں لیکن سمجھتے نہیں ۔

---

یہ میری اپنی ذاتی تحقیق تھی۔ اس لئے اس میں نقصان ممکن

ہے یعنی مضبوط دلیل نہیں ہوگی رد کے لئے ۔۔

اصل معلومات جو انسان کو مطمئن کرے وہ مندرجہ ذیل

ہیں جو قرآن نے بتایا ہے ۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ

ترجمہ : الحجرات **13** -

اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ تقویٰ دار

ہے۔

تقویٰ اللّٰہ کی عبادت اور غلامی سے حاصل ہوتا ہے ۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَۙ ۞ البقرہ 21 -

ترجمہ:

لوگو ! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے

پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم تقویٰ دار بن جاؤ ۔

لہذٰا

مخلوق کی شرافت اور عزت کا دارومدار تقویٰ اور نیکوکاری اور

اللہ کی غلامی میں ہے ۔

نبی کریم ﷺ کے سب سے زیادہ نیکیاں ہے اس لئے مخلوقات میں اولین درجے پر فائز ہے۔ دوسرے لفظوں میں نبی کریم ﷺ اللہ کے سب سے زیادہ وفادار غلام ہے اس لئے اولین درجے پر ہے۔

عیبوں اور نقصانات سے پاک ہونا مخلوق کی شرافت نہیں ہے ۔ بریلوی غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں ۔ انہیں لگتا ہے عیبوں سے پاک ہونا مخلوق کی شان ہے۔ اس لئے نبی کریم ﷺ کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں مثلاً علم میں کمی عیب ہے تو وہ نبی ﷺ سے نفی کرتے ہیں ۔۔ مٹی سے بننا عیب ہے اور نور کمال ہے تو۔۔۔ وغیرہ

واللہ تعالیٰ اعلم

## نفع و نقصان اور خیر و شر

نفع و نقصان کا تعلق ظاہر سے ہے۔ اور خیر و شر کا تعلق باطن سے ہے۔

خیر و شر کے بارے میں ہمیں وحی خبر دیتا ہے ۔ خیر و شر کی معلومات کے لئے ہمیں اللہ پر اندھا اعتماد کرنا پڑے گا کیونکہ خیر و شر کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے ۔ ہم ظاہر دیکھ کر نفع و

نقصان معلوم کر سکتے ہیں ۔ دنیاوی تعلیم انسان کو نفع و

نقصان دیکھاتا ہے لیکن خیر و شر وحی (قرآن و حدیث) کے

ذریعے معلوم کی جاسکتی ہے ۔

مثلاً:

شراب اور جوا میں نفع ہے لیکن گناہ نفع سے زیادہ ہے ۔

قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا

ترجمہ: البقرہ 219 -

کہہ دو کہ ان میں نقصان بڑے ہیں اور لوگوں کے لئے کچھ

فائدے بھی ہیں مگر ان کے گناہ فائدوں سے کہیں زیادہ ہیں۔

نتیجہ: خیر و شر کا تعلق باطن سے ہے اور ہم باطن سے بے خبر

ہیں ۔ یہ بھی ایک وجہ ہے کہ ہمیں وحی کی ضرورت ہیں ۔

یہ نہیں کہ بس اللہ کو مان لے اور یوں مان لے کہ اللہ نے ہمیں

ایسے ہی چھوڑ رکھا ہے کوئی کتاب نہیں بھیجی ہے۔

ایسا ہر گز نہیں ہے ۔ اللہ ہمارا رب (تربیت کرنے والا) ہے۔

روحانی تربیت کے لئے خیر و شر کی معلومات کی ضرورت ہے ۔

اور روح ہی ہمارا اصل ہے۔

مثلاً : کچھ خوراک ایسے ہیں جو بدن کی تربیت کے لئے فائدہ

مند ہیں لیکن روح کی تربیت کے لئے نقصان دہ ہیں تو ان کو

اللہ نے حرام کر دیا ہے ۔

اسی طرح روزہ بدن کی تربیت کے لئے بظاہر نقصان دہ ہے کہ

بدن میں کمزوری آ جاتی ہے لیکن روح کی تربیت اور ترقی کے

لئے فائدہ مند ہے ۔

روح باطن اور پوشیدہ ہے تو اس کے فوائد و نقصانات بھی

پوشیدہ ہے جسے خیر و شر سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔

اور اللہ کی طرف سے اصل ترتیب روحِ ہی کی ہے نہ کہ بدن کی ۔ بدن ایک ذریعہ ہے روحانی تربیت کی۔ ورنہ جسمانی معذوروں کے بارے میں اللہ ظالم ہوتا ۔

لہذٰا ملحدین کا نظریہ باطل ہوا کہ ہمیں وحی کی ضرورت نہیں ہے ۔ ہم ترقی یافتہ لوگ ہیں، نفع و نقصان خود معلوم کر سکتے ہیں ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

## جہاد کی ایک حکمت اور فائدہ

تین طرح کے لوگ ہیں جو صبح سے لے کر شام تک محنت مزدوری کرتے ہیں:

(1 پہلے شخص کو ماہانہ دو ہزار روپے اجر و مزدوری ملتی ہے۔

(2 دوسرے شخص کو پچاس ہزار...

(3 تیسرے شخص کو لا زوال اجر و مزدوری ملتی ہے۔

پہلے دو کا تعلق ظاہر سے ہے اور تیسرے کی مزدوری باطن اور پوشیدہ ہے ۔

پہلے دو کا موازنہ کیا جائے تو ہر کوئی کہے گا کہ پہلے شخص کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے اور دوسرے کے ساتھ انصاف ۔ پہلا شخص غلام ہے اور دوسرا آزاد ۔

لیکن اللہ تعالیٰ صرف پہلے دو کا موازنہ نہیں کر رہا بلکہ تینوں کا آپس میں موازنہ کر رہا ہے کیونکہ اللہ باطن بھی دیکھتا ہے۔ تینوں کا موازنہ کیا جائے تو پہلے دو کی اجر و مزدوری دنیاوی اور فانی ہے جبکہ تیسرے کی لازوال ۔ لہذٰا پہلے دو کے ساتھ

ظلم ہو رہا ہے اور دونوں غلام ہے۔۔ فرعون کے بارے میں جب کہا گیا ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کو غلام بنایا ہوا تھا تو اس کا یہ مطلب ہے ۔۔ ورنہ فرعون انہیں اجر و مزدوری دیا کرتے تھے (واللہ تعالیٰ اعلم)۔ لیکن لازوال اجر و مزدوری سے محروم کیا کرتے تھے ۔ اور یہ تمام غیر اسلامی حکومتوں کا حال ہے جو اپنی عوام کے ساتھ کرتے ہیں ۔

ان تینوں میں تیسرا شخص وہ ہے جس کا خاتمہ ایمان پر ہوتا ہے جو تقدیر میں مومن ہے۔ یہ تیسرا شخص خاتمہ بالخیر کے

لئے اللہ سے مختلف وسیلوں سے دعائیں مانگتا رہتا ہے یہاں تک

کہ موت آ جائے ۔

جبکہ پہلے دو اپنے ساتھ ظلم کر رہے ہیں اللہ سے لازوال اجر و

مزدوری مانگنے کے لئے اللّٰہ کے قوانین اور احکامات کے مطابق

وسیلہ پیش نہیں کرتے رہتے ہیں جسکا نتیجہ خاتمہ بالکفر ہو

جاتا ہے۔

جو شخص وحی کو اپناتا نہیں ہے وہ اپنے ساتھ ظلم کر رہا ہے اور

اگر کوشش کرتا ہے کہ دوسروں تک وحی کی اہمیت اور فضیلت

نہ پہنچ پائے تو دوسروں کے ساتھ بھی ظلم کر رہا ہے ۔

اس لئے اسلام کے پھیلاؤ میں رکاوٹ بننے والے کے خلاف جہاد کو

بطورِ دفاع کیا جاتا ہے تاکہ صرف وحی (قرآن و حدیث) لوگوں

تک نہ پہنچے بلکہ وحی کی اہمیت اور فضیلت بھی پہنچ پائے ۔

جہاد میں حملہ بھی دفاع کی ایک صورت ہے تاکہ وحی کی اہمیت

اور فضیلت پہچانے میں رکاوٹ نہ ہو، تاکہ دنیا کا ہر شخص

آزادی سے اسلام کو قبول کرکے عمل پھیرا ہو اور ظلم سے بچ

سکے یعنی اجر و مزدوری صرف دنیاوی اور فانی نہ ہو بلکہ

لازوال ہو۔ جہاد انسان سے خیر خواہی میں کی جاتی ہے نہ کہ دل

کی بھڑاس نکالنے کے لئے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

## عقل و منطق کا استعمال اور محسوسات پر انحصار

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقلِ سلیم دی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ ہم سے ایمان بالغیب کا مطالبہ کرتا ہے ۔

عقل و منطق کا استعمال یہ ہے کہ معلوم سے نامعلوم معلوم کیا جائے ۔ مثلاً:

حضرت محمد ﷺ کو لکھنا پڑھنا نہیں آتا تھا اور امانتداری اور سچائی پر مشہور تھے۔ اب عقل کا تقاضا یہ ہے

ایسا شخص جب انسان پر جھوٹ نہیں بولتا تو وہ اللہ پر

جھوٹ کیسے باندھ سکتا ہے اور جب قرآن مجید کا مطالعہ کیا

جائے تو اس کی عظمت اور حکمت کا پتہ چل جاتا ہے پھر

عقل اس بات کو معلوم کرتا ہے کہ جسے لکھنا پڑھنا نہیں آتا

وہ ایسا عظیم کلام کیسے بنا سکتا ہے۔ لہٰذا ان معلومات سے

نامعلوم معلوم ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے ۔ (ہم

نے حضرت محمد ﷺ کی امانتداری اور سچائی کو نہیں

دیکھا ، ہمارے لئے قرآن و حدیث کی حکمت حجت اور دلیل

ہے کہ یہ مخلوق کی پیداوار نہیں ہے )

پھر اسی طریقے سے قرآن مجید کی تفسیر کو معلوم کیا جاتا ہے ، معلوم تفسیر سے نامعلوم تفسیر معلوم کی جاسکتی ہے ۔ کسی آیت یا حدیث میں بظاہر کوئی اشکال اور تضاد وارد ہو تو اس کو دوسرے آیات، جن کی تفسیر معلوم ہو، کے ساتھ میچ کر کے نامعلوم کو معلوم کیا جاتا ہے ۔

بالکل اسی طریقے سے ہم وحی کی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں، وغیرہ ۔

یہ طریقہ قابل تعریف ہے اور اس طریقے سے معلومات حاصل کر کے تسلیم کرنا ایمان بالغیب کہلاتا ہے کہ ہم اللّٰہ کی باتوں

پر بھروسہ کرکے اللہ کی باتوں سے نامعلوم کو معلوم کرتے ہیں

اور اللہ کی باتوں پر بھروسہ اس لئے کرتے ہیں کہ اللہ حکیم ہے

اور اللہ کا حکیم ہونا زمین و آسمان کی پیدائش میں غور و

فکر کرکے معلوم کیا جاتا ہے، وغیرہ۔

اللہ متقی و مومن لوگوں کے ایمان کی تعریف کرتا ہے ۔

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (البقرہ 3) -

ترجمہ: جو غیب پر ایمان لاتے۔۔۔

اس کے برعکس محسوسات پر انحصار کرنا ہے کہ عقل سلیم

کا استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ حواس خمسہ اور تجربات سے

معلومات حاصل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔ اس کی مذمت کی

گئی ہے مثلاً:ً

ترجمہ: البقرہ 55 -

اور جب تم نے (موسیٰ سے) کہا کہ موسیٰ جب تک ہم اللہ کو

سامنے نہ دیکھ لیں گے تم پر ایمان نہیں لائیں گے تو تم کو

بجلی نے آگھیرا اور تم دیکھ رہے تھے۔

ترجمہ: انعام 8 -

"اور انہوں نے کہا: 'اس پر کوئی فرشتہ کیوں نہ اتارا گیا؟'

اگر ہم کوئی فرشتہ اتارتے تو ضرور فیصلہ ہو جاتا، پھر انہیں

مہلت نہ دی جاتی".

ترجمہ: بنی اسرائیل **93** -

"یا تمہارا سونے کا ایک گھر ہو، یا تم آسمان میں چڑھ

جاؤ۔ اور ہم تمہارے چڑھ جانے پر بھی ہرگز ایمان نہیں

لائیں گے جب تک کہ تم ہم پر ایک کتاب نہ اتارو جسے ہم

پڑھیں۔ کہہ دیجیے: میرا رب پاک ہے، میں تو ایک بشر رسول

ہوں".

ان آیات میں فرمائشی معلومات کا مطالبہ کفار نے کیا اور

انہوں نے عقلِ سلیم کو چھوڑ کر تجربات پر اکتفا کیا تھا اور

یہ ایمان بالغیب کے منافی ہے ۔ جو معلومات میسر ہے ان سے حق

معلوم کیا جا سکتا ہے ۔

صرف محسوسات پر اکتفا کرنے کا پیمانہ درست بھی نہیں ہے

کہ یہ مظہر پرستی کی طرف لے جاتا ہے ۔

محسوسات اور تجربات پر نفع و نقصان معلوم کیا جا سکتا ہے

لیکن خیر و شر نہیں ۔

غیب سے جس قدر پردہ اٹھایا جاتا ہے اسی قدر آزمائش بھی سخت ہوتی ہے جیسا کہ آدم علیہ السلام کو بھولے سے میوہ کھانے پر بطور انصاف سزا دیا۔ اوپر آیت میں بھی یہ اشارہ ملتا ہے کہ اگر فرشتے کو بھیجتا تو پھر تمھاری نافرمانیوں پر مہلت نہ دی جاتی۔

موت کے وقت بھی انسان کا تجربہ ہو جاتا ہے کہ ہم انسان ہمیشہ کے لئے فنا اور غیر موجود نہیں ہو جاتے اس لئے اس وقت ایمان لانا معتبر نہیں ہے کیونکہ وہ ایمان بالغیب نہیں ہے ۔

معجزات اور کرامات ہم اللہ کے کہنے کی وجہ سے مانتے ہیں اگر

چہ ہم نے تجربہ نہ کیا ہو۔

انسان کی باتوں میں شک کرنا بھی عقلِ سلیم کا تقاضا ہے ۔

جیسے جیسے انسان کی عقل پختہ ہوتی ہے اسے پھر اللہ کی بات پر

ہی تسلی ملتی ہے ۔ شروع میں بس یہ ہوتا ہے کہ جو بات حق لگے

اسے تسلیم کیا جائے ، انتہا میں یہ حال ہوتا ہے کہ جب بات

اللہ کی ہو تب تسلیم کیا جاتا ہے چاہے وہ کوئی غریب اور گمنام

ہی اللہ کی بات نقل کرے ۔

یہ بھی ایک وجہ ہے کہ ہمیں وحی کی ضرورت ہے اور یہ بھی ایک

وجہ ہے کہ قرآن و حدیث میں سوچ و فکر کی ترغیب دی گئی

ہے تاکہ تمہیں اللہ کی مرضی معلوم ہو جائے کیونکہ انسان پر

صرف اللّٰہ کی بات اثر کرتی ہے ۔ بڑے سے بڑا عالم بھی اگر قرآن

و حدیث پڑھاتا ہے تو اثر انداز نہیں ہوتا جب تک کہ انسان کو

یہ لگ جائے کہ یہ مفہوم اللّٰہ کی مرضی ہی ہے ۔ اللّٰہ کی مرضی

تلاش کرنے کے لئے ضد و عناد (تکبر ، تعصب ، شخصیت

پرستی اور اب و جد) سے پرہیز کریں ۔

عقل سلیم کا تقاضا یہ بھی ہے کہ ہم ہر حال میں اللہ کے

محتاج ہے۔ ہدایت میں بھی ۔ لہٰذا اللّٰہ سے ہدایت مانگے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

## ہدایت اور گمراہی کی وجہ

وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعۡرَضَ عَنۡهَا وَنَسِىَ مَا قَدَّمَتۡ
يَدٰهُ‌ ؕ اِنَّا جَعَلۡنَا عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ اَكِنَّةً اَنۡ يَّفۡقَهُوۡهُ وَفِىۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرًا‌ ؕ وَاِنۡ
تَدۡعُهُمۡ اِلَى الۡهُدٰى فَلَنۡ يَّهۡتَدُوۡۤا اِذًا اَبَدًا ۞

الکہف 57 -

ترجمہ:

اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جسے اُس کے ربّ کی
آیات سُنا کر نصیحت کی جائے اور وہ اُن سے منہ پھیرے اور

اور بھول گیا وہ (گناہ) جو آگے بھیجا اس کے دونوں ہاتھوں

نے۔(جن لوگوں نے یہ روش اختیار کی ہے)ان کے دلوں پر ہم نے

غلاف چڑھا دیے ہیں جو انہیں قرآن کی بات نہیں سمجھنے

دیتے، اور اُن کے کانوں میں ہم نے گرانی پیدا کر دی ہے۔ تم

انہیں ہدایت کی طرف کتنا ہی بُلاؤ، وہ اس حالت میں کبھی

ہدایت نہ پائیں گے۔

وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ – ترجمہ: بھول گیا وہ جو آگے بھیجا اس

کے ہاتھ نے ۔ مفہوم: کسی شخص کی یہ حالت جو گناہ کرکے

بے فکر ہوتا رہتا ہے اور نیکیوں سے مٹانے کی کوشش نہیں کرتا

تو اس شخص کو اس ناقص حالت میں اللہ ہدایت نہیں دیتا۔

اگر حق واضح بھی ہو جائے تو تسلیم نہیں کرتا اس لئے حق

واضح ہونے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا لہذا اس کے دل پر مہر لگا

دیا جاتا ہے کہ سمجھنے سے ہی محروم ہو جائے۔ جب گناہوں کو

نیکیوں سے مٹانے کی کوشش شروع کرتا ہے تو یہ شخص اس

ناقص کیفیت سے نکل آتا ہے ۔ پھر ہدایت کے دروازے کھول

دیئے جاتے ہیں اور حق واضح کروا دیا جاتا ہے ۔

اس کے بر عکس وہ شخص ہے جو فطرت کے مطابق زندگی

گزارتا ہے کہ صبح کے گناہ شام تک نیکیوں سے مٹانے کی

کوشش کرتا ہے اور شام کے گناہ صبح کو۔ اس حالت کو کہتے

ہیں گناہوں سے نیکیوں کی طرف رجوع کرنے والا ۔

اس کے بارے میں فرمایا گیا

يَهۡدِىۡۤ اِلَيۡهِ مَنۡ يُّنِيۡبُ ۞ الشوری13 -

ترجمہ: وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اُسی کو دکھاتا ہے جو اُس کی

طرف رجوع کرے۔

ن و ب النوب کا معنی ہے بار بار لوٹ کر آنے والا ۔

گناہ سے نیکی کی طرف اور غفلت سے اللہ کی طرف رجوع کرنے

والا ۔

ہمیشہ طالب حق رہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں

جادوگروں نے مقابلہ کیا، ابو سفیان رضی اللہ عنہ اسلام کے خلاف

لڑنے لگے لیکن ان کو ہدایت ملی کیونکہ وہ طالب حق تھے۔ وہ

مخالفت بھی حق کے لئے کرتے تھے ۔ پھر اللہ نے ان کو حق

واضح کیا۔

طالب حق رہنے کے لئے ضد و عناد (تکبر ، تعصب ، شخصیت

پرستی اور اب و جد) کا انکار کرنا ہوگا اور مذکورہ بالا رجوع

والا کیفیت اپنانا ہوگا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

# ھدایت اور گمراہی کے مراتب

## (1 شوق اور انابت:

حق کا شوق ہوتا ہے ۔ طالب حق ہوتا ہے کہ اللہ ہمیں حق دکھا

دے۔

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ

ترجمہ: ہمیں حق راستہ دکھا دے۔

گناہوں سے نیکیوں کی طرف رجوع کرنے والا ہوتا ہے۔ اللہ ایسے

لوگوں کو ہدایت دیتا ہے ۔

وَيَهۡدِىۡۤ اِلَيۡهِ مَنۡ اَنَابَ۔ الرعد **27-**

ترجمہ: اور جو (اسکی طرف) رجوع ہوتا ہے اسکو اپنی طرف کا

راستہ دکھاتا ہے۔

## 2) ہدایت:

پھر جب حق راستہ دکھا دیا جاتا ہے تو وہ ہدایت پاتا ہے ۔

پھر اس ہدایت پر چلنا چاہتا ہے۔ یہ دعا مانگتا ہے ۔

اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ

ترجمہ: ہمیں حق راستہ اور ہدایت پر چلانے کی توفیق عطا

فرما ۔

## 3) استقامت:

پھر اللہ اس کو حق راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرماتا ہے اور چلتا رہتا ہے تو اس مقام کو استقامت کہتے ہیں ۔

پھر یہ طلب ہوتی ہے کہ پوری دنیا بھی مخالف ہو، جب اللہ میرا دوست ہو، اللہ مل جائے تو مجھے دنیا کی پرواہ نہیں ۔ ہر طرح کی دنیاوی لالچ اسے ہدایت سے نہ پھیرے۔ یہ بندہ دعا کرتا ہے ۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۝

ہمیں ھدایت پر ہر حال میں استقامت عطا فرما ۔

## 4) ربط القلب:

اس کا دل ھدایت پر اس قدر مضبوط کرتا ہے کہ دنیا کی کوئی

مصیبت اور لالچ اسے لَآ اِلٰهَ اِلَّا الله سے پھیر نہیں سکتا (رب کی

توفیق سے۔(

یہ ھدایت کا آخری مرتبہ ہے اور مرتے دم تک اللّٰہ کی غلامی پر

ڈٹا رہتا ہے۔ پھر مومن ظالم بادشاہ کے سامنے (اخلاق کے دائرے

میں) حق بات کہنے پر پرواہ نہیں کرتا کہ ظالم بادشاہ اس کو

قتل کرے گا ۔ وجہ یہ نہیں کہ انسان بہادر اور نڈر بن جاتا

ہے، وجہ یہ ہے کہ انسان کے پاس سینکڑوں دلائل اور براہین

آجاتے ہیں جن کے سبب اللّٰہ توفیق عطا فرماتا ہے، مثلاً زندگی

اور موت اللّٰہ کے اختیار میں ہے ، جنت و جہنم ، وغیرہ جیسا

کہ یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ بھی

زلیخا کے بارے میں ارادہ فرماتے اگر اس کے پاس براھین نہ

ہوتے۔ (آسمانی علم کی اہمیت اور فضیلت کی طرف اشارہ ہے)

یا اللہ ، یا رب العالمین ہمیں اپنے فضل و رحمت سے خیر و

عافیت کے ساتھ ربط القلب نصیب فرمائے ۔ آمین ۔

---

گمراہی کے مراتب:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہدایت کے اسباب عطا کئے ہے۔

قلب/عقل، آنکھیں اور کان۔

اس کا شکر ہے حق کی طلب۔

اس پر جب حق کی طلب نہیں کرتا۔

## (1 شک:

انسان اللہ کی باتوں میں شک کرنے لگ جاتا ہے ۔ مخلوق کی باتوں میں شک کرے کوئی بڑی بات نہیں ہے ۔ لیکن اللہ کی باتوں پر شک کرنا قلب ، آنکھوں اور کانوں کی نا شکری کا نتیجہ ہے ۔

## (2 گمراہی:

شک کر کر کے گمراہی میں مبتلا ہو جاتا ہے ۔

**(3 حق کی مخالفت:**

پھر انسان حق کی مخالفت میں حق پرستوں سے جھگڑا کرنے

لگ جاتا ہے ۔

**(4 مہر:**

پھر حق پرستوں کے ساتھ جھگڑا کر کر کے اس کے عقل،

آنکھوں اور کانوں پر مہر لگ جاتا ہے پھر حق و باطل کی

پہچان یا تو کر نہیں سکتا یا پھر کوئی پرواہ نہیں کرتا کہ حق

کیا ہے اور باطل کیا ہے ۔ اور یہ شخص ایمان مرتے دم تک

نہیں لاتا ۔

یا اللہ ، یا رب العالمین ہمیں خیر و عافیت کے ساتھ گمراہی

کے مراتب سے بچائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

## عربی گرامر: جنس، استغراق اور عہد خارجی میں کیا فرق ہے ؟

جنس، استغراق اور عہد خارجی تین مختلف نحوی اور مفہومی اصطلاحات ہیں جو عموماً زبان اور بیان میں مختلف معنی بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہیں:

1. جنس: یہ لفظ کسی وسیع یا عمومی گروہ یا طبقے کی نشاندہی کرتا ہے۔ مثلاً "انسان" ایک جنس ہے جس میں تمام مردو عورت شامل ہیں۔ یہاں خاص طور پر کسی ایک فرد کی بات نہیں ہو رہی بلکہ پوری جنس یا قسم کی بات ہو رہی ہے۔

2. استغراق: اس کا مطلب ہے کہ کوئی لفظ اپنی پوری گنجائش یا دائرے کو شامل کرے۔ مثلاً اگر ہم کہیں "تمام

انسان" تو یہ استغراق ہوگا کیونکہ یہاں ہر فرد کو شامل کیا گیا ہے۔ استغراق عام طور پر اسمِ نکرہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔

**3.** عہد خارجی: یہ ایک نحوی اصطلاح ہے جو کسی معروف یا معلوم چیز کے لیے استعمال کی جاتی ہے، جو پہلے سے کسی موقع یا گفتگو میں ذکر ہو چکی ہو۔ مثلاً "کتاب" کہنے پر مراد وہی کتاب ہوگی جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہو یا جو متعین ہو۔

مثال:

" ۔انسان" (جنس) = عام طور پر تمام انسانوں کی بات ہو رہی ہے۔

" ۔تمام انسان" (استغراق) = یہاں استغراق ہو رہا ہے یعنی ہر انسان کو شامل کیا جا رہا ہے۔

" ۔یہ کتاب" (عہد خارجی) = اس کتاب کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور یہ خاص کتاب مراد ہے۔

جنس اور استغراق میں فرق:

مثلاً:

پتھر اٹھاؤ (اسمِ جنس): اس سے مراد ہے کہ کوئی بھی پتھر اٹھا لیا جائے تو آپ کا مطالبہ پورا ہو جائے گا۔ یہاں جنس کی بات ہو رہی ہے، اور یہ ضروری نہیں کہ ہر پتھر اٹھایا جائے۔ اگر کتاب کو اٹھا لیا جائے تو مطالبہ پورا نہیں ہو گا کیونکہ کتاب پتھر کی نوعیت اور قِسم نہیں ہے ۔

تمام پتھر اٹھاؤ (استغراق): اس کا مطلب ہے کہ ہر ایک پتھر کو اٹھانا ہو گا۔ اگر ایک بھی پتھر رہ جائے تو استغراق کا مطالبہ پورا نہیں ہو گا۔

یہی فرق ہے جنس اور استغراق میں، اس مثال سے یہ بات آسانی

سے سمجھ میں آ گئی ہے کہ استغراق میں مکمل شمولیت ہوتی

ہے، جبکہ جنس میں عمومی مفہوم ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں "ا ل" کو عہد خارجی ، جنس اور استغراق کے

لئے استعمال کیا جاتا ہے ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میں ا ل استغراقی ہے ۔ حمد استغراق ہے جس سے مراد

"تمام تعریفیں" ہے، کوئی بھی تعریف اور خوبی مستثنیٰ نہیں ہے

۔ یعنی تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہے۔

اسی طرح "الغیب" جب اللہ کے لئے استعمال ہو جائے تو یہاں "ا

ل" استغراقی ہے یعنی تمام مغیبات، جو ہماری نسبت پوشیدہ

اور غیب ہے، اللہ کو معلوم ہے ۔

جب کسی نبی کے لئے "الغیب" کا لفظ آئے تو یہاں "ا ل" عہد

خارجی ہوگا یعنی خاص مغیبات وحی اور معجزہ کے ذریعے بتاتا

ہے، تمام غیبی علم مراد نہیں ہے۔ ہمارے پاس وحی اور معجزہ

کے اسباب نہیں ہے لہٰذا ہمیں مغیبات کے بارے میں عام

اسباب اور حالات کے ذریعے باخبر کرتے ہیں جبکہ انبیاء کو

وحی اور معجزہ کے سبب بھی بعض غیبی علم سے باخبر کرتے

ہیں ۔ جیسے کہ منافق کا حال ہمیں حالات اور عام اسباب کے

ذریعے معلوم ہوتا ہے جیسے کہ جھوٹ بولنا ، خیانت کرنا وغیرہ

اسباب عامہ ہے جن کے سبب ہمیں منافق کا پتہ چل جاتا ہے جو

کہ ہم سے منافق کی اصلیت پوشیدہ تھی ان اسباب کے ذریعے سے

غیب سے پردہ اٹھ جاتا ہے جبکہ نبی کو وحی کے ذریعے بھی بتایا

جاتا ہے کہ فلاں فلاں منافق ہیں ۔ لیکن وحی اور معجزہ نبی کے

مجازی اختیار میں بھی نہیں ہوتا کہ جب چاہے وحی اور معجزہ

کا استعمال کرکے کسی بھی علم تک رسائی حاصل کرے بلکہ

اللہ جب چاہے بعض مغیبات کا علم نبی کو وحی اور معجزہ کے

ذریعے دے دیتا ہے ۔

ال سے مراد عہد خارجی ہے یا استغراق یا جنس یہ سیاق وسباق

اور شریعت کے اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے معلوم کیا جاتا

ہے۔ عموماً ال اصل میں عہد خارجی کے لئے استعمال ہوتا ہے

جب شریعت کے اصولوں کے خلاف ہو عہد خارجی مراد لینا تو

پھر استغراق یا جنس مراد لیا جاتا ہے ۔

ال کا استعمال ان تینوں کے علاوہ بھی ہے جیسے عہد ذہنی ، عہد

حضوری ، معہود، زائدہ (اضافی)، اسم موصول، وغیرہ

---

تذکیر و تانیث:

عربی اور اردو گرامر میں مذکر مؤنث کسی چیز کے جینڈر اور جنس کو بیان نہیں کرتا ہے بلکہ لفظ کی جنس کو بیان کرتا ہے ۔ مثلاً :

"شمس" (سورج) مؤنث ہے، حالانکہ سورج کی کوئی جنس (جینڈر) نہیں ہوتی۔

"قمر" (چاند) مذکر ہے، حالانکہ اس کی بھی کوئی جنس نہیں ہوتی۔

"انسان" مذکر ہے لیکن یہ اسم جنس ہے جس سے مراد مرد اور عورت دونوں ہے۔

اسی طرح لفظ "نملۃ" (چیونٹی) مؤنث ہے لیکن یہ مادہ

چیونٹی کو بیان نہیں کرتا ہے بلکہ "نملۃ" اسم جنس ہے جو

نر اور مادہ چیونٹی دونوں کو عموماً بیان کرتا ہے

"قالت نملۃ" یعنی چیونٹیوں کی نوعیت میں سے ایک

چیونٹی نے کہا ۔ مادہ چیونٹی کی بات نہیں ہو رہی۔ لفظ

"نملۃ" مؤنث ہے نہ کہ چیونٹی ذات کی جینڈر۔

ہمیں روزمرہ کی زندگی میں سمجھنے اور سمجھانے کے لئے

خاص الفاظ کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ ہم کو سمجھنے اور

سمجھانے میں آسانی ہو ۔ اس کے لئے لفظ "لڑکا" جو کہ مذکر

ہے انسان کی نر جینڈر کے لئے مخصوص کیا گیا ہے اور لفظ "لڑکی" مؤنث ہے جو کہ انسان کی مادہ جینڈر کے لئے خاص کیا گیا ہے تاکہ سمجھنے اور سمجھانے میں آسانی ہو ۔ ورنہ تذکیر و تانیث صرف لفظ کی جنس کو بیان کرتا ہے نہ کہ کسی چیز کی ذات کو۔

انگریزی زبان میں بے جان چیزوں کے ناموں میں تذکیر و تانیث کا استعمال نہیں کیا جاتا ہے ۔ مثلاً ◌ً "table" کو "it" سے بیان کرتا ہے جو کہ تذکیر و تانیث کو بیان نہیں کرتا ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

## قرآن و حدیث پر خوشی کا اظہار

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۗ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ یونس 58 -

ترجمہ:

کہہ دو کہ (یہ کتاب) اللہ کے فضل اور اس کی مہربانی سے (نازل ہوئی ہے) تو چاہئے کہ لوگ اس سے خوش ہوں۔ یہ اس سے کہیں بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

فضل اور رحمت سے مراد قرآن و حدیث ہے۔

یَجْمَعُوْنَ سے مراد دنیا کا متاع اور سامان ہے؛ مال ودولت وغیرہ

۔

آیت کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح ایک شخص (مثلاً) اپنے

بینک بیلنس کا دوسرے شخص کے بینک بیلنس کے ساتھ

موازنہ کرتا ہے اور جب زیادہ ہو تو وہ دل میں خوش ہو جاتا ہے

ایسے ہی جب مومن خود کی دولت (قرآن و حدیث) کو کافر کی

مال و دولت اور عیش و عشرت کے ساتھ موازنہ کریں تو چاہئے

کہ مومن دل میں خوش اور مطمئن ہو جائے کہ قرآن و حدیث

سے بڑھ کر دولت اس دنیا میں نہیں ہے۔

نوٹ: اس پوسٹ کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن و حدیث سے دنیا کا فائدہ نہیں ملتا بلکہ مقصد یہ ہے کہ اگر دنیا کا فائدہ نہ بھی ملے قرآن و حدیث پر عمل کی توفیق بھی فائدہ ہی ہے اس پر خوش اور مطمئن رہے کیونکہ یہ دنیا دارِ عمل ہے دارِ جزا نہیں ۔ قرآن و حدیث کا فائدہ دنیا اور آخرت دونوں میں ہے۔

اس خوشی کا عملی مظاہرہ کیا ہے:

جس طرح کافر مال و دولت پر خوش ہو کر اس کو مزید حاصل کرنے کی حرص کرتا ہے اس طرح مومن قرآن و حدیث پر دل

میں خوش ہو کر مرتے دم تک قرآن و حدیث کو علماً و عملاً

اپنانے کی حرص اور کوشش کریں ۔

عملاً خوشی کا یہ مطلب ہے ۔ گلے میں ہار ڈالنا وغیرہ طریقہ

نہیں ہے خوشی کے اظہار کا ایسی خوشی اگر سلف سے ثابت ہو

جائے پھر کرنا۔ اور نہ ہی یہ خوشی کا اظہار سال میں صرف

ایک بار کرنا ہے بلکہ مرتے دم تک ہر لمحہ اپنی استطاعت کے

مطابق کرنا ہے۔

اس آیت کا عید میلاد النبی ﷺ سے دور دور تک کوئی واسطہ

نہیں ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

## عبادت کا مسئلہ

فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ۞ یوسف **90** -

ترجمہ:تو بیشک اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

یہ جملہ کہنا ایک نیت سے مذموم ہے اور ایک سے قابل

تعریف ۔

اگر اس نیت سے کہا جائے کہ میں نے دن رات محنت کی،

چاند کی روشنی میں پڑھا، وغیرہ اس لئے مجھے یہ نعمت اور

کامیابی ملنا ہی تھا تو یہ مذموم ہے کیونکہ اس میں خود کی

تعریف ہو رہی ہے ۔ جیسا کہ قارون نے کہا تھا

قَالَ اِنَّمَاۤ اُوۡتِيۡتُهٗ عَلٰى عِلۡمٍ عِنۡدِىۡ‌ؕ (القصص 78) -

ترجمہ: بولا کہ یہ (مال) مجھے میری دانش (کے زور) سے ملا

ہے ۔

اگر اس نیت سے مذکورہ بالا جملہ کہا جائے کہ اللہ کی شان

ایسی ہے کہ اللہ محسنین کی محنت ضائع نہیں کرتا تو اس

میں اللہ کی تعریف کی گئی ہے اس لئے قابل تعریف ہے جیسا کہ

یوسف علیہ السلام نے کہا۔

خلاصہ: تقدیر کے استعمال کے مطابق ہر اچھی چیز کا کریڈٹ

اللہ کو دے دیا کریں ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

## تبلیغ: بین الاقوامی تحریک

ایک بادشاہ اپنی رعایا کی ایمانداری اور تعاون کا امتحان لیتا

ہے۔ بادشاہ ایک بڑا حوض بنواتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ ہر

شہری رات کو اپنی استطاعت کے مطابق اس میں ایک بالٹی

دودھ ڈال دے تاکہ ایک مشترکہ مقصد حاصل کیا جا سکے۔

لیکن چونکہ یہ کام رات کے وقت ہونا تھا ، ہر شخص یہ سوچتا

ہے کہ اگر میں دودھ کے بجائے پانی ڈال دوں تو کوئی نہیں جان

پائے گا کیونکہ باقی لوگ دودھ ڈالیں گے، اور ایک بالٹی پانی

سے فرق نہیں پڑے گا۔

جب صبح ہوتی ہے اور بادشاہ حوض دیکھنے جاتا ہے، تو اسے حیرت ہوتی ہے کہ پورا حوض پانی سے بھرا ہوا ہے۔ کیونکہ ہر شخص نے یہی سوچا تھا کہ دوسرے لوگ دودھ ڈالیں گے، اور اس نے خود دھوکہ دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کوئی بھی دودھ نہ ڈال سکا اور سب نے پانی ہی ڈالا۔

اس کہانی کا مقصد یہ ہے کہ اگر ہر شخص اپنی ذمہ داریوں سے فرار حاصل کرے اور سوچے کہ اس کے عمل سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، تو پوری کمیونٹی ناکام ہو سکتی ہے۔ اجتماعی

ذمہ داری کا احساس اور ایمانداری ہی معاشرتی ترقی اور بہتری

کا ضامن ہوتا ہے۔

----

بین الاقوامی تحریک کی بنیاد ابراھیم علیہ السلام نے رکھی کہ

اللہ کی تشریعی بادشاہت پوری دنیا پر قائم ہو جائے اور سب

انفرادی اور اجتماعی طور پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ کا اظہار اللہ کے

احکامات اور قوانین کے مطابق کرتا رہے۔ پھر انبیاء علیہم

السلام نے اپنی استطاعت کے مطابق اس تحریک کو چلانے

کے لئے قوم سے شروعات کی ۔ پھر محمد ﷺ نے اس تحریک

کو آگے بڑھایا۔

ہر مسلمان کی شرعی زمہ داری ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق

بین الاقوامی تحریک نبھائے ۔ اپنے محلے اور قوم اور ملک سے

شروعات کریں ۔ یہ محنت رنگ لائے گی اور پوری دنیا پر اللہ

کی تشریعی بادشاہت قائم ہوگی، اللہ کے قوانین رحمت اور

انصاف کی بنیاد پر ہے اس لئے معاشرے میں امن قائم ہوگا اور

معاشرہ ترقی یافتہ بن جائے گا اور لوگ جہنم سے بچ کر جنت

چلے جائیں گے ۔

اگر ہر شخص یہ سوچے کہ میری محنت اور زمہ داری سے کیا

ہوگا تو مذکورہ بالا کہانی کا نتیجہ ہی ملے گا (اِلَّا ما شاءاللہ)

بچوں کو الف ب ت پڑھانا یا پڑھوانا بھی اس تحریک کا حصہ

ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

## قبلہ

ابراھیم علیہ السلام نے بین الاقوامی اور عالمی تحریک کی بنیاد

رکھی کہ اللہ کی تشریعی بادشاہت پوری دنیا پر قائم ہو جائے

اور سب انفرادی اور اجتماعی طور پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا اظہار اللہ

کے احکامات اور قوانین کے مطابق کرتا رہے۔

انبیاء علیہم نے قوم (اور محلے ) سے شروعات کی تاکہ اس کو عالمی سطح تک پہنچائے ۔

ابراھیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف دوبارا تعمیر کیا بین الاقوامی مرکز کے لئے۔

اور بیت المقدس قومی تحریک کے لئے تعمیر کیا گیا۔ جب تک قومی تحریک شروع تھا تب قبلہ بیت المقدس تھا جب قوم سے بین الاقوامی سطح تک تحریک پہنچ گیا تب قبلہ بیت اللہ ہو گیا ۔ بیت اللہ عالمی مرکز ہے ۔

سالم انسانیت کو ایک مرکز پر جمع کرنا اور وہ مرکز ہے

"اعْبُدُوا اللہ۔" ◌َ

اعْبُدُوا اللہَ ایک پروگرام ہے مختلف مزاج والے انسانوں میں

اتحاد پیدا کرنے کا، اللہ سے تعلق جوڑنے کا ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

## دلیل کی اہمیت

دلیل کے اقسام میں پہلے بتا چکا ہوں ۔ (مائی ورک ان اسلام

جلد 2 میں)

دلیل کی اہمیت پر قرآن و حدیث نے بہت زور دیا ہے ۔

بلا دلیل دینی عمل کفر کی حد تک خطرناک ہے ۔

اہل علم لکھتے ہیں کہ جب یوسف علیہ السلام کو کنویں میں

پھینکا جا رہا تھا تب جبریل علیہ السلام عرش کے پاس تھا

اللہ نے اس کو حکم دیا کہ جاؤ یوسف کنویں کی سطح تک

پہنچ نہ پائے۔

نبی کریم ﷺ کو ایذا دی گئی تو پہاڑوں کے فرشتے نے کہا

کہ میں طائف والوں کو ان دونوں پہاڑوں کے درمیان غرق کر

دوں۔

ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے کتنی

طاقت دی ہے اور سورہ الرعد – 11 کے مطابق اللہ نے

فرشتوں کو ہماری حفاظت کے لئے مقرر کیا ہے کہ اللہ کے حکم

سے ہماری حفاظت کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود فرشتوں سے

مدد طلب کرنے والوں کی قرآن و حدیث میں مذمت کی گئی

ہے اور کفر کہا گیا ہے ۔ کیوں؟

کیونکہ فرشتوں سے مدد طلب کرنے کی دلیل اللہ تعالیٰ نے

نہیں بھیجی۔ لوگوں نے خود ساختہ قوانین بنا کر فرشتوں سے

مدد مانگنی شروع کیا تھا ۔

)فرشتوں سے ایسی مدد مانگنا کہ اللہ کی مشیت کے بغیر بھی

مدد کرسکتے ہیں ایسی مدد مانگنا تو زندہ شخص سے بھی

شرک ہے ۔ قرآن و حدیث میں ملائکہ سے اس طرح مدد کسی

نے مانگی ۔ قرآن میں مذکور کفار فرشتوں سے ما تحت

الاسباب مدد مانگتے تھے لیکن بلا دلیل اور بعض ما فوق

الاسباب مانگتے تھے(

اسی طرح برزخ زندگی میں رہنے والوں کے لئے اگر سماع موتیٰ

ثابت ہو جائے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ عالم برزخ

والوں سے ماتحت الاسباب مدد بھی مانگی جا سکتی ہے کیونکہ

اس پر کوئی دلیل نہیں ہے ورنہ فرشتوں سے مدد مانگنا پھر

کفر نہ ہوتا کیونکہ فرشتوں کو بھی اللہ نے طاقت دی ہے ۔

قرآن میں مذکور کفار اور مشرکین نے کسی کو اللہ کے

مساوی شریک نہیں ٹھہرایا ۔ صرف خود ساختہ قوانین بناتے

کہ فلاں فلاں کو اللہ نے ہماری فلاں فلاں مدد کے لئے مقرر

کیا ہے ۔ اس میں نقصان محض یہ تھا کہ اس پر اللہ نے دلیل

نہیں بھیجی ہے۔ ورنہ یہ ایسا ہی ہے جسے پانی کے سبب اللہ سے

پیاس بجھانا طلب کرتے ہیں ، فرق صرف یہ ہے کہ پانی کے

سبب اللہ کی مدد حاصل کرنے پر دلیل ہے۔ البتہ اتنا ضرور ہے

پانی کو حقیقی موثر نہ سمجھا جائے اللہ پر بھروسہ کیا جائے

کہ اللہ چاہے تو میری پیاس بجھے گی اور حقیقی تعریف بھی اللہ

کی کرنی ہے پیاس بجھنے کے بعد ۔

خلاصہ: اس مذکورہ بلا دلیل دینی عمل والے کفر کو آسان

الفاظ میں شرک فی الحاکمیت کہتے ہیں اور یہ حاکمیت

عبادت کا ہی حصہ ہے ۔

عبادت میں بندہ اللہ کے سامنے انتہائی درجے کے عاجزی اور بے

بسی کا اظہار کرتا ہے کہ گھٹنے ٹیکنے کے علاوہ آپشن نہیں ہوتا

۔

عبادت کی اس تعریف میں غور کریں تو عبادت میں یہ بھی

شامل ہو گیا کہ ہدایت اور رہنمائی میں بھی خود کو اللہ کا

محتاج قرار دیا گیا ہے کہ اللہ ہمیں بتائیں کہ اللہ سے مدد کیسے

حاصل کریں ، کسی سے محبت کا مطلب اور تقاضا کیا ہے،

وغیرہ یہ سب قوانین کا فیصلہ اللہ کرے گا ، ہم بے بس ہے اللہ

کے سامنے ۔

اب اگر کوئی محمد ﷺ یا اولیاء اللہ سے محبت کی تعریف

اور تقاضے خود بنائیں تو اس نے تو اللہ کی عبادت نہیں کی،

جیسے نوح علیہ السلام کی قوم نے اولیاء اللہ (ود، سواع، یغوث،

یعوق اور نسر) سے محبت کی خود ساختہ تعریف کی اور اس کے

تقاضے بنائیں پھر جب نوح علیہ السلام کہتے تھے کہ اللہ کی

عبادت کرو تو وہ کہتے تھے کہ محبت کے یہ طریقے اور تقاضے

ہمیں ہمارے آبا و اجداد نے سیکھائیں اور تم جو دعوت دے

رہے ہو یہ تو بہت عجیب ہیں ، یہ کیا بات ہوئی اب ہم قوانین

میں بھی اللہ کے محتاج ہے ۔ (مفہوم اور خلاصہ نوح علیہ

السلام کے واقعے کا بتا دیا (

نوح علیہ السلام جب قوم کو یہ کہتے تھے کہ اللہ کی عبادت

کرو، اس میں ایک مطلب یہ بھی تھا کہ ان اولیاء اللہ سے

محبت کا مطلب اور تقاضے وہی اپناؤ جو اللہ وحی کے ذریعے

بتائیں ، خود ساختہ تقاضے مت بنائیں ۔ آسان الفاظ میں یوں

ہے شرک فی الحاکمیت سے پرہیز کریں ۔

یہی دعوت جیل میں یوسف علیہ السلام نے کی شرک فی

الحاکمیت سے بچنے کی ۔

بلا شرعی دلیل دینی عمل کرنا شرک فی الحاکمیت کے زمرے

میں آتا ہے ۔

دلیل کی اہمیت کا اندازہ ہو چکا ہوگا ۔

اور حدیث میں ہے مفہوم: جس نے مجھ ﷺ پر جان بوجھ

کر (قصداً) جھوٹ باندھا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے ۔

) اللہ اور رسول پر قصداً جھوٹ بولنے کا انجام حدیث میں

بتایا گیا ہے۔۔۔۔غلطی اور خطا معاف ہے (

میں نے اس پوسٹ میں قوانین میں محبت کو ہائی لائٹ کیا

تاکہ پتہ چلے قوانین کا مطلب کیا ہے جب ہم کہتے ہیں کہ

صرف اللہ ہی حاکم ہے۔ اور دوسری بات شرک محبت کے

راستے ہی آیا ہے ، مشرکین اپنے معبودانِ باطلہ سے محبت کرتے

ہیں ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

## ترغیب الی القرآن و حدیث اور وحی کی ضرورت

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

ہماری آیات کو جھٹلایا

قرآن مجید میں قوموں کی ہلاکتوں کا بنیادی وجہ وحی کو جھٹلانا ہے کہ اللہ کی تعلیمات (وحی) کو چھوڑ کر خود ساختہ قوانین بنانا ہلاکت کی وجہ ہے۔

اب یہ تو ایک مجموعی بات ہے اس کو انفرادی طور پر اپلائی کرکے دیکھتے ہیں کہ وحی کو جھٹلانے کا مطلب اور نتیجہ کیا ہے۔

مثلاً:

وحی کو چھوڑ کر محبت کی خود ساختہ اور گھریلوں تعریف کی گئی ۔ یعنی دل کی دھڑکن ۔ اب دل کی دھڑکن والی محبت جو

مطالبہ کریں اسی کو قانون بنایا اور نقصان کا نمونہ قرآن نے

یوں دیا کہ

نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کی محبت میں ہی پھسل گئے۔

وجہ: وحی سے ماخوذ کرنے کی بجائے محبت کی گھریلوں

تعریف کرلی گئی۔

اس کو قرآن بس آسان الفاظ میں یوں کہتا ہے کہ "كَذَّبُوۡا

بِاٰيٰتِنَا۔"

مخلوق سے محبت اللہ سے محبت میں کی جاتی ہے اور اس کا

تقاضا خیر خواہی ہے۔ (خیرخواہی کیا ہے اس کے لئے بھی وحی کا

سہارا لینا پڑے گا (

جب کوئی محمد ﷺ سے محبت کی بات کرتا ہے اور اللہ کو درمیان سے نکالتا ہے یعنی یاد بھی نہیں اور اس کو ہی شرعی محبت کہے تو وہ اپنی علم (محبت کی تعریف) پر نظر ثانی کریں۔

اسی طرح انسان کی شرافت کی گھریلوں تعریف کی گئی کہ عیبوں اور نقصانات سے پاک ۔۔ جس کا نقصان یہ ہوا محمد ﷺ کو نور کہنے لگے اور پتہ نہیں کیا کیا کہنے لگے۔ فرضی کہانی بتاتا ہے ۔

ہوتا کچھ یوں ہے کہ غیر مسلم اعتراض کرنے لگتا ہے کہ

محمد ﷺ کیسے رسول ہے وہ تو مٹی سے بنا تھا اور مٹی میں

تو فلاں فلاں نقصان ہے۔ جس نے انسان کی شرافت کی

گھریلوں تعریف کی ہے وہ تدبیر اختیار کرتا ہے کہ جب پھر

کبھی مناظرہ کروں گا تو یہ کہوں گا کہ ہمارا نبی ﷺ نور ہے

۔۔

یہ کیوں کہتا ہے ۔۔ کیونکہ انہوں نے انسان کی شرافت کی

گھریلوں تعریف کی ہے اس کی بنیاد پر قوانین بناتے ہیں ۔

غیبی علم کا نہ ہونا بھی عیب ہے ، اس طرح کرتے کرتے محمد

ﷺ کو تمام عیبوں سے پاک کرکے اللہ کا مقام دے دیتے ہیں

۔

اور قرآن بس آسان الفاظ میں فرماتا ہے ۔ یہ اس لئے کہ

"كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا۔"

اسی طرح ولایت کی گھریلوں تعریف کی گئی ہے کہ عجیب و

غریب کام صادر ہونا ۔

اور نقصان یہ ہے انسان فطرتی طور پر شرافت پسند ہے۔۔ تو

لوگ شرافت کی چکر میں نیکی چھوڑ کر کرامات کے پیچھے

بھاگنے لگے ۔

اصل بات یہ ہے جن کا عقیدہ قرآن و حدیث کے مطابق نہیں

ہے ان سے صادر ہو جائے تو جادو ورنہ کرامت ۔ جب عجیب و

غریب کام صادر ہو جائے تو اس عمل کے ماتھے پر تو نہیں

لکھا ہوتا ہے کہ یہ جادو ہے یا کرامت ۔ وحی (قرآن و حدیث) کا

سہارا لینا پڑے گا معلوم کرنے کے لئے ۔

ولایت کا دارومدار تقوی اور استقامت (تقوی کے شرعی

تقاضوں پر قائم ہونا) ہے نہ کہ ہواؤں میں اڑنا۔ ایسے صحابہ

رضی اللہ عنہ بھی گزر چکے ہیں جن سے کوئی عجیب و غریب کام صادر

نہیں ہوا لیکن پھر بھی اعلیٰ درجے کا ولی صحابہ کے مقام اور

ولایت تک نہیں پہنچ سکتا ۔

اب تقویٰ کی گھریلوں تعریف کی گئی ہے کہ دل کی دھڑکن والا

خوف ۔ اس تعریف کے مطابق موسیٰ علیہ السلام (العیاذ باالله)

مشرک ہے کیونکہ وہ سانپ سے ڈر کر ایسے بھاگے تھے کہ

پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا ۔

ولایت کا مطلب گناہوں سے معصوم ہونا بھی نہیں ہے ۔

جس نے ولایت کی گھریلوں تعریف کی ہے یعنی معصوم ہونا تو

وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے خلاف غلط قلم استعمال کر رہے ہیں ۔

اصل ولایت مغفور ہونا ہے نہ کہ معصوم ۔ انبیاء علیہم السلام

کا معصوم ہونا ضرورت کی بنا پر تھا تاکہ تعلیم میں آسانی ہو ۔

اور اسی تعریف کی وجہ سے معصوم بننے کی امید میں توبہ اور

نیکی میں تاخیر کر رہے ہیں۔

اسی طرح موت و حیات کی گھریلوں تعریف کی گئی ہے ۔

یہ تھی کچھ مثالیں ۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب وحی (قرآن و حدیث) کو جھٹلایا جائے

تو تخمینہ اور اندازے لگانا ہی رہ جاتا ہے جس کے نقصانات

ہی ہوتے ہیں۔ اور قوموں کی ہلاکتوں کی بنیادی وجہ ہی وحی کو

جھٹلانا ہے اور کیوں اور کیسے ہیں اس کے چند نمونے اوپر

بیان ہو چکے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

## بدعت

1) بدعت غیر دین

2) بدعت فی الدین

بدعت غیر دین وہ ہے جسے کار ثواب نہیں مانتا ۔ اس میں رسم ورواجِ داخل ہے۔ مثلاً سالگرہ منانے کو دین کا حصہ سمجھ کر کارِ ثواب نہیں مانا جاتا ۔ جشن آزادی کو دین کا حصہ سمجھ کر ثواب کا عمل نہیں مانا جاتا وغیرہ

یہ جائز بھی ہو سکتا ہے اور ناجائز بھی ۔

بدعت فی الدین وہ ہے جو دین میں نیا عمل شامل کیا جائے جو نبی کریم ﷺ کے زمانے میں نہیں پایا جاتا اور اس عمل کو کارِ ثواب بھی مانے۔

یہ بدعت حدیث کے مطابق گمراہی ہے ۔

مبتدع کے لئے توبہ کا دروازا بند ہے۔ (حدیث)

مفہوم یہ ہے کہ مبتدع اپنی بدعت کو کار ثواب مانتا ہے لہذا وہ

اپنی بدعت سے توبہ نہیں کرتا ۔ جب توبہ کریں تو وہ مبتدع

نہیں رہتا ۔

(میری کتاب "مائی ورک ان اسلام جلد 1 " میں بدعت

سے بچنے کا طریقہ کار ملاحظہ فرمائیں)

زرائع میں بدعت:

زرائع میں بدعت نہیں ہوتا اور یہ بدعت غیر دین کے زمرے

میں آتا ہے ۔

بدعت ایک ایسا عمل ہے جو دین میں کسی نئی چیز کو شامل کرنے یا کسی ایسے طریقے کو اپنانے کو کہا جاتا ہے جو نبی ﷺ یا صحابہ کرام کے زمانے میں نہیں تھا۔ تاہم، جب ہم "زرائع" کی بات کرتے ہیں تو اس کا مطلب ان چیزوں یا طریقوں سے ہوتا ہے جو دین کے بنیادی مقاصد کو حاصل کرنے میں مدد دیتے ہیں۔

زرائع میں بدعت شامل نہیں ہوتی کیونکہ یہ ایسے طریقے یا وسائل ہیں جو شریعت کے مقاصد کے مطابق ہوں، چاہے وہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں نہ بھی ہوں۔ مثال کے طور پر:

**1.** مکاتب یا مدارس کا قیام: نبی ﷺ کے زمانے میں باقاعدہ مدارس کا نظام نہیں تھا، مگر آج کل دین کی تعلیم دینے کے لیے یہ ایک اہم ذریعہ بن گیا ہے۔

**2.** مساجد میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال: اذان یا نماز کے لیے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال بھی ایک ذریعہ ہے، جو اسلام کے پیغام کو دور تک پہنچانے میں مددگار ہے۔

**3.** قرآن مجید کی پرنٹنگ اور تقسیم: صحابہ کرام کے زمانے میں قرآن ہاتھ سے لکھا جاتا تھا، لیکن آج کل جدید پرنٹنگ کے ذریعے قرآن کو زیادہ لوگوں تک پہنچایا جا رہا ہے۔

**4.** اسلامی معلومات کی ویب سائٹس: آج کل مختلف اسلامی ویب سائٹس پر دین کی تعلیم دی جاتی ہے، سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں، اور اسلامی مواد پھیلایا جاتا ہے۔ یہ ویب سائٹس دین کی تبلیغ اور سیکھنے کا ایک جدید ذریعہ ہیں، جو قرآن و سنت کے بنیادی مقاصد کے حصول میں معاون ہیں۔

یہ ذرائع اسلام کے بنیادی اصولوں کی ترویج میں معاون ہیں اور

انہیں بدعت نہیں کہا جاتا، کیونکہ یہ دین کے مقاصد کو

حاصل کرنے میں مدد کرتے ہیں، نہ کہ دین میں کسی نئی

چیز کا اضافہ کرتے ہیں۔

یہ بدعت غیر دین کے زمرے میں آتا ہے جب تک کہ دلیل

ھدیٰ نہ ہو۔

واللہ تعالیٰ اعلم

## اللہ پر قصداً جھوٹ بولنا اور غلطی سے جھوٹ بولنا

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ

اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ

ترجمہ: (الانعام **93)** -

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر (قصداً) جھوٹ

افترا کرے یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی آئی ہے۔ حالانکہ اس پر

کچھ بھی وحی نہ آئی ہو اور جو یہ کہے کہ جس طرح کی کتاب

اللہ نے نازل کی ہے اس طرح میں بھی بنا لیتا ہوں۔

اللہ پر قصداً جھوٹ بولنے میں اور غلطی سے جھوٹ بولنے میں

فرق ہے کیونکہ فرق نہ سمجھا جائے تو پھر تقریباً ہر مجتہد

سب سے بڑا ظالم ہوگا کیونکہ ہر مجتہد سے خطا ہو جاتا ہے ۔

1 ) ایک شخص ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ محمد ﷺ

آخری نبی نہیں ہے ۔ کوئی اور بھی آ سکتا ہے ۔

2 ) دوسرا شخص ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے ہی نبوت

ملی ہے ۔ اللہ مجھ پر وحی نازل کرتا ہے ۔

اب دونوں ہی اللہ پر جھوٹ باندھ رہا ہے ۔ لیکن

پہلے شخص کے بارے میں یہ احتمال ہے کہ وہ غلطی سے اللہ پر

جھوٹ بول رہا ہے قرآن و حدیث میں ناقص تاویلات کر کے ۔

دوسرے شخص کے بارے میں صرف اتنا معلوم کریں کہ وہ

پاگل تو نہیں ہے ۔ جب یہ پتہ چل جائے کہ صحیح سالم ہے اور

پورے ہوش و حواس میں اپنی مرضی سے دعویٰ کر رہا ہے تو پھر

اس میں کوئی دو رائے نہیں ہے کہ یہ شخص اللہ پر قصداً

جھوٹ بول رہا ہے اور مذکورہ بالا آیت کے مطابق معاشرے کا

بدترین ظالم ہے اور واجب القتل ہے ۔

اس فرق میں غور کریں ۔

والله تعالیٰ اعلم

## شرک سے بیزاری کا عملی ثبوت اور ایمان کی حلاوت

وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـئًا‌ ؕ وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا (النساء

- 36)

ترجمہ:

اور اللہ ہی کی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ

بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔

قُلۡ تَعَالَوۡا اَتۡلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمۡ عَلَيۡكُمۡ‌ اَلَّا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـــًٔـا

وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا (الانعام 151 )-

ترجمہ:

کہہ کہ (لوگو) آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کی ہیں ( ان کی نسبت اس نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے) کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بنانا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا ۔

اللہ کے لئے یعنی اللہ سے اجر کی امید کے لئے شریعت کے مطابق حسن سلوک کرنا احسان کہلاتا ہے کہ حسن سلوک کرتے وقت نظریں اور امیدیں اللہ کی طرف ہو۔

اس کو اللہ کے لئے بندوں سے محبت کرنا بھی کہا جاتا ہے ۔

شرک سے بیزاری اور بائیکاٹ کو والدین کے ساتھ احسان

کرنے کے ساتھ پیوست کیا جس میں اشارہ ہے کہ:

جب تم اس قدر محنت کرو اپنی ایمان پر کہ تم اپنے عزیز اور

محبوب کے ساتھ محض اللہ کے لئے، نہ کہ اپنی خواہش کی بنا

پر، حسن سلوک کرو تو گویا تم نے عملی طور بھی شرک سے

بیزاری اور بائیکاٹ کا ثبوت دے دیا ۔ اور جب ایسا کر پاؤ تو

تم ایمان کی حلاوت و ذائقے کو محسوس کر پاؤ گے ۔

)عقیدۃً ثبوت عمل سے پہلے تمام مومن دے چکے ہوتے

ہیں(

والدین تفسیر بالمثال ہے اس سے مراد محبوب اور عزیز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

واللہ تعالیٰ اعلم

## روح

روح دو طرح کی ہے۔

**1)** روحِ حیوانی

**2)** روحِ امر

1) روحِ حیوانی وہ ہے جس سے دنیاوی بدن زندہ ہوتا ہے اور

سانس لیتا ہے ۔ یہ انسان اور جانور دونوں میں ہوتا ہے ۔

انسان میں یہ روح مع دنیاوی بدن روحِ امر کے لئے سواری ہوتی

ہے ۔ جیسے ہی روحِ حیوانی مر جاتی ہے ۔ روحِ امر اوپر یا نیچے

پرواز کرتی ہے ۔ اور احادیث کے مطابق روحِ امر کو پرندے کے

جوف میں منتقل کیا جاتا ہے جس سے قبر سٹیج میں سزا و جزا

محسوس کریں ۔

) دنیاوی بدن اور پرندے کا بدن وغیرہ روحِ امر کی ادراک

کے لئے ہوتا ہے ۔ کہ روحِ امر بغیر اسباب (بدن) کے ادراک

نہیں کر سکتا کیونکہ مافوق الاسباب تصرف مخلوق کو نہیں

دیا گیا ۔ جہنم میں بھی روحِ امر کو بدن دیا جائے گا تاکہ

جہنم کا مزہ چھکے۔ جیسے ہی چمڑا جل جاتا ہے تو اسے بدل کر

نیا اور تازہ چمڑا دیا جاتا ہے تاکہ درد زیادہ محسوس کریں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ –

النساء 56 -

ترجمہ: جب ان کی کھالیں گل اور جل جائیں گی تو ہم اور

کھالیں بدل دیں گے تاکہ (ہمشہ) عذاب (کا مزہ) چکھتے

رہیں (

2) روحِ امر انسان کی اصل ہے۔ یہ جانور میں نہیں پایا جاتا ۔

روحِ امر کے بارے میں ہمیں زیادہ علم نہیں دیا گیا ۔

وَیَسْـــَٔلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ اسراء 85 -

ترجمہ:

اور تم سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ وہ میرے رب کے حکم سے ہے۔ اور تم لوگوں کو (بہت ہی) کم علم دیا گیا ہے۔

قرآن میں اکثر مقامات پر روحِ، قلب اور ایمان یہ تینوں

تقریباً ایک ہی چیز کے نام ہے۔

میدان جہاد میں ایک مومن دو کافروں سے نہیں بھاگے گا۔

اس میں مساوات نہیں لیکن انصاف ہے۔

مومن کا ایک دنیاوی بدن ہوتا ہے اور دوسرا ایمان (روح) بھی

سلامت ہوتا ہے ۔ اور کافر کا ایمان (روح) مر چکا ہوتا ہے ۔

صرف بدن ہوتا ہے ۔ لہزا ایک مومن دو کافر کے برابر ہوا ۔

ایک بدن اور دوسرا روحِ امر ــ ــ

جن کا ایمان زیادہ ہوتا تھا جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ

علیہم اجمعین تو ان پر دس کافروں کا مقابلہ فرض تھا ۔ پھر

اللہ نے ہماری ایمان کو دیکھ کر دو کافروں کا مقابلہ فرض کر دیا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

## کیا مسلمان موت سے محبت کرتے ہیں اور اس کی خواہش رکھتے ہیں؟

)یہ ٹاپک

**www.abuaminaelias.com** سے اخذ کیا گیا ہے جو کہ انگریزی سے اردو ترجمہ میں چیٹ جی پی ٹی کے ذریعے منتقل کیا گیا ہے(

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام ایک دینِ حیات ہے جو نیک زندگی گزارنے کی تعلیم دیتا ہے اور زندگی کو قانون کا بنیادی مقصد قرار دیتا ہے۔ موت کبھی بھی بذات خود ایک مقصد نہیں ہوتی۔ بلکہ مؤمنین کو موت کی خواہش نہیں کرنی چاہیے، نہ اپنے لیے اور نہ دوسروں کے لیے۔

حقیقت یہ ہے کہ مؤمنین اللہ سے ملاقات کو پسند کرتے ہیں، نہ کہ موت سے ملاقات کو۔ یہ بات درج ذیل مستند حدیث میں واضح کی گئی ہے:

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ أَحَبَّ اللّٰہُ لِقَاءَہُ وَمَنْ کَرِہَ لِقَاءَ اللّٰہِ کَرِہَ اللّٰہُ لِقَاءَہُ

ترجمہ: جو اللّٰہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے، اللہ بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ اور جو اللّٰہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے، اللّٰہ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: "یا نبی اللہ! ہم سب موت سے نفرت کرتے ہیں اور اس سے بچتے ہیں۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَيْسَ كَذَلِكِ وَلَكِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا بُشِّرَ بِرَحْمَةِ اللَّهِ وَرِضْوَانِهِ وَجَنَّتِهِ أَحَبَّ لِقَاءَ اللَّهِ فَأَحَبَّ اللَّهُ لِقَاءَهُ وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا بُشِّرَ بِعَذَابِ اللَّهِ وَسَخَطِهِ كَرِهَ لِقَاءَ اللَّهِ وَكَرِهَ اللَّهُ لِقَاءَهُ

یہ بات ایسی نہیں ہے، بلکہ جب ایک مؤمن کو (موت کے وقت) اللہ کی رحمت، اس کی رضا اور جنت کی خوشخبری دی جاتی ہے، تو وہ اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور اللہ بھی اس

سے ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ اور جب ایک کافر کو اللہ کے عذاب اور اس کے غضب کی خبر دی جاتی ہے، تو وہ اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔

ماخذ: صحیح مسلم **157**، درجہ: صحیح

عائشہ رضی اللہ عنہا بجا طور پر اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ مؤمنین موت سے نفرت کرتے ہیں اور اس سے بچتے ہیں۔ اس بات کو ایک اور حدیث میں مزید وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِي عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ

الْمَوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَتَهُ

میں کسی چیز کو کرنے میں اتنا تردد نہیں کرتا جتنا میں

مؤمن کی جان نکالنے میں تردد کرتا ہوں، کیونکہ وہ موت کو

ناپسند کرتا ہے اور میں اسے تکلیف پہنچانے کو ناپسند کرتا

ہوں۔

# ماخذ: صحیح بخاری 6137، درجہ: صحیح

اللہ ہمیں بتاتا ہے کہ مؤمنین موت سے نفرت کرتے ہیں اور وہ اسے لانا ناپسند کرتا ہے، لیکن یہ زندگی کا ایک نتیجہ اور آخرت کے سفر کا ایک ضروری مرحلہ ہے۔

حقیقت میں مؤمنین کو موت کی تمنا نہیں کرنی چاہیے، بلکہ اللہ سے سلامتی اور طویل عمر کی دعا کرنی چاہیے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا:

لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ أَصَابَهُ فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَاعِلًا

فَلْيَقُلْ اللَّهُمَّ أَحْيِنِي مَا كَانَتْ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتْ

الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي

تم میں سے کوئی بھی موت کی تمنا نہ کرے، کسی مصیبت کے

سبب جو اسے پہنچی ہو، لیکن اگر اسے کچھ کرنا ہی ہو تو وہ

کہے: اے اللہ! جب تک زندگی میرے لیے بہتر ہے، مجھے زندہ

رکھ اور جب موت میرے لیے بہتر ہو تو مجھے وفات دے۔

## ماخذ: صحیح بخاری 5437، درجہ: صحیح

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا يَتَمَنَّى أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ إِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهُ يَزْدَادُ وَإِمَّا مُسِيئًا فَلَعَلَّهُ يَسْتَعْتِبُ

تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے۔ اگر وہ نیک ہے تو

شاید اس کے نیک اعمال میں اضافہ ہو، اور اگر وہ گناہگار ہے

تو شاید وہ توبہ کرلے۔

ماخذ: صحیح بخاری 6808، درجہ: صحیح

ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا:

لَمْ تُؤْتَوْا شَيْئًا بَعْدَ كَلِمَةِ الْإِخْلَاصِ مِثْلَ الْعَافِيَةِ فَاسْأَلُوا اللَّهَ

الْعَافِيَةَ

تمہیں کلمہ اخلاص کے بعد جو سب سے بہترین چیز عطا کی گئی ہے وہ عافیت ہے، پس اللہ سے عافیت مانگو۔

ماخذ: مسند احمد 11 ، درجہ: صحیح

مؤمنین کو نہ تو دوسروں پر موت کی خواہش کرنی چاہیے اور نہ ہی اپنے دفاع میں قتل جائز ہونے کی صورت میں بھی اس معاملے کو ہلکا لینا چاہیے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا:

أَعَفُّ النَّاسِ قِتْلَةً أَهْلُ الْإِيمَانِ

قتل کرنے میں سب سے زیادہ پرہیزگار لوگ ایمان والے ہیں۔

ماخذ: مسند احمد 3720، درجہ: صحیح

بعض مسلمان شہادت کی خواہش میں اس حد تک چلے گئے

ہیں کہ موت خود ایک مقصد بن گئی ہے، یہاں تک کہ انہوں

نے خودکش حملوں جیسے ناپسندیدہ اعمال کو جائز قرار دے دیا ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ شہادت نیک زندگی گزارنے سے حاصل ہوتی ہے، نہ کہ موت کے طریقے سے۔ ایک مسلمان بغیر میدان جنگ میں لڑے یا ظلم و ستم کا سامنا کیے بھی صرف اپنی خالص نیت کی بنا پر شہادت کا درجہ حاصل کر سکتا ہے۔

سہل بن ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ سَأَلَ اللّٰهَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَإِنْ مَاتَ عَلَى فِرَاشِهِ

جو شخص اللہ سے سچے دل کے ساتھ شہادت مانگے گا، اللہ اسے شہداء کے درجات عطا فرمائے گا، خواہ وہ اپنے بستر پر ہی فوت ہو جائے۔

ماخذ: صحیح مسلم 1909، درجہ: صحیح

اکثر حقیقی شہداء میدان جنگ میں نہیں مرتے، کیونکہ لڑے بغیر بھی شہادت حاصل کرنے کے دیگر طریقے موجود ہیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الشُّهَدَاءُ خَمْسَةٌ الْمَطْعُونُ وَالْمَبْطُونُ وَالْغَرِقُ وَصَاحِبُ الْهَدْمِ وَالشَّهِيدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

شہداء پانچ قسم کے ہوتے ہیں: وہ جو طاعون سے مرے، وہ جو پیٹ کی بیماری سے مرے، وہ جو ڈوب جائے، وہ جو ملبے کے نیچے دب کر مر جائے، اور وہ جو اللہ کے راستے میں شہید ہو۔

ماخذ: صحیح بخاری 2674، درجہ: متفق علیہ

جو لوگ طاعون، بیماری، یا کسی آفت سے فوت ہوتے ہیں، وہ اس لیے شہادت کا درجہ پاتے ہیں کیونکہ وہ نیک زندگی گزار رہے تھے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کوئی شخص جان بوجھ کر اور بلا ضرورت اپنے آپ کو ایسے خطرے میں ڈال کر شہادت حاصل کر سکتا ہے۔ اسی طرح، شہادت اس بات پر منحصر نہیں ہے کہ کوئی بے وقوفی سے غیر ضروری جنگ میں کود پڑے۔

ہمیں سمجھنا چاہیے کہ اسلام اس دنیا میں زندگی کی حفاظت کرتا ہے اور نیک اخلاق کی تعلیم دیتا ہے جو آخرت میں دائمی

زندگی کی طرف لے جاتے ہیں۔ مؤمنین اپنے آپ پر یا دوسروں پر موت کی تمنا نہیں کرتے۔ شہادت نیک زندگی گزارنے سے ہی حاصل ہوتی ہے اور یہ ضروری نہیں کہ مسلمان کی موت کس طریقے سے ہوئی ہو۔

کامیابی اللہ کی طرف سے ہے، اور اللہ بہتر جانتا ہے۔

## اللہ کے قوانین اور احکامات میں خیر خواہی ہیں

اللہ کے احکامات اور قوانین کو خیرخواہی کے انداز میں پیش کیا کرے کیونکہ اللہ کے احکامات اور قوانین رحمت اور انصاف اور غیر جانبدار ہے۔

ایک بادشاہ نے خواب دیکھا

ایک شخص نے یہ تعبیر کیا کہ تم اپنی تمام اولاد کی موت دیکھو گے۔ بادشاہ کو غصّہ آ گیا ۔

دوسرے شخص نے یہ تعبیر کیا کہ خاندان میں سب سے لمبی عمر آپ کی ہے۔ بادشاہ خوش ہوا۔

دیکھا جائے تو دونوں کے تعبیر کا نتیجہ ایک ہی ہے لیکن پہلے شخص نے نقصان ہائی لائٹ کیا اور دوسرے نے خیر۔

---

میری بھی علماء کی طرح کوشش ہوتی ہے کہ حاکمیت صرف اللّٰہ کا ہو جائے ۔ لیکن قرآن میں ہے مفہوم: دین اسلام خیر خواہی کا نام ہے ...

اس لئے میں جہاد اور حاکمیت میں خیر خواہی کو ہائی لائٹ کرنے کی کوشش کرتا ہوں ۔

اسی طرح غیر مسلم للکارے بھی نہیں جائیں گے جیسا کہ

حدیث میں ہے کہ کفار کو اپنے خلاف للکارنا مت۔

واللہ تعالیٰ اعلم

## موت اور جہاد کو طبعی نا پسند کرنا

انسان موت اور جہاد سے فطرتی طور پر نفرت کرتا ہے ، جہاد

جانا یوں لگتا ہے جیسے موت کی طرف ہانکا جا رہا ہو اور اپنی

موت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو۔ اور یہ منافقت نہیں بلکہ

انسان کی فطرت ہے ۔

طریقہ یہ ہے کہ جہاد کے دوران عقلی طور پر دل میں خوف کے ساتھ بڑی باتیں کرنی پڑتی ہے تاکہ دشمن پر رعب طاری ہو جائے ۔

حدیث میں بھی ہے کہ مومن موت سے نفرت کرتا ہے ۔

حدیث میں ہے کہ جہاد کا ارمان مت کرنا ۔ جب (نا چاہتے ہوئے) جہاد کرنا پڑے تو ثابت قدم رہنا۔

جہاد کو مومن عقلی طور پر پسند کرتا ہے کہ جہاد اللہ کی رضامندی اور گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہے ۔

مومن اللہ کی دی ہوئی آسمانی علم کی مدد سے عقل کا استعمال

کرکے اپنی مذکورہ بالا طبعی ڈر کے خلاف جہاد کرکے جہاد فی

قتال میں شریک ہوتا ہے ۔

جب کہ منافق آسمانی علم سے محروم ہونے کی وجہ سے اللہ کی

مدد سے محروم ہو کر جہاد سے پیچھے ہٹ جاتا ہے ۔

آسان الفاظ میں یوں کہے کہ مومن جذبات (طبعی ڈر، دنیا کی

مٹھاس وغیرہ) کے خلاف جہاد کرکے مردانگی کا ثبوت دیتا ہے

کہ جذبات کو قابو کرنا مردانگی کہلاتا ہے اور منافق جذبات

کو قابو نہیں کر پاتا ۔

---

یہ پوسٹ اس لئے ضروری سمجھا کیونکہ بعض علماء کو میں

یہ کہتے ہوئے سنا ہوں کہ مذکورہ طبعی نفرت کو منافقت کہتے

ہیں۔

اس کا نقصان یہ ہے کہ جب جہاد کی بات ہوتی ہے تو سب کے دل

میں مذکورہ ڈر والے جذبات آتے ہیں تو ان بعض علماء کی وجہ

سے انسان کو لگتا ہے کہ میں منافق ہوں۔ پہلے ایمان پر خوب

محنت کروں گا پھر جہاد کروں گا کیونکہ اب کروں گا تو

منافقت پر مروں گا۔

بہادری کی گھریلوں اور فلمی تعریف کی گئی ہے جس کی وجہ

سے مومن جہاد نہیں کرتا ۔

انسان میں اصل بہادری وہادری کچھ نہیں ۔ انسان پیدا ہی

کمزور ہوا ہے ۔ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا – النساء 28 -

انسان جب خود کو تنہا محسوس کرتا ہے تو اسکی ہوا نکل جاتی

ہے ۔ یہ تو کسی کے دم پر گرجتا ہے ۔ کوئی لشکر کے دم پر ،

کوئی آرمی کے دم پر تو کوئی اللہ کے دم پر گرجتا ہے ۔

اور یہ اللہ کے دم پر گرجنا اصل سمجھ داری اور بہادری ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

## منکرین آخرت کی ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہو چکے ہیں

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ

وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

ترجمہ: عنکبوت 23 -

اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں سے اور اسکے ملنے سے انکار کیا وہ میری رحمت سے ناامید ہو گئے ہیں اور ان کو درد دینے والا عذاب ہوگا۔

منکرین آخرت نے اللہ کی رحمت کو پابند کیا ہوا ہے ان کے

نزدیک نیک عمل کا بدلہ فانی ہو گا اس لئے آخرت کے منکر

ہیں۔

جبکہ

مومن اللہ کی رحمت کو لامحدود سمجھتے ہیں اس لئے نیک

عمل کا بدلہ لازوال سمجھتا ہے اور لازوال اجر آخرت میں ہی

ممکن ہے کہ نیک عمل کا بدلہ دنیا سے شروع ہو کر ہمیشہ

تک جاری رہے جس کا لازم نتیجہ جنت ہے۔

اللہ کی رحمت سے محروم ہونے کا نتیجہ جہنم ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

## وحی کا مطالبہ

وحی کا یہ مطالبہ ہرگز نہیں ہے کہ انسان تمام گناہ ترک کرکے معصوم بننے کی کوشش کریں۔

انسان کسی نہ کسی گناہ کا عادی ہوتا ہے جو اسے نہیں چھوڑ سکتا یہاں تک کہ اس گناہ کے ساتھ ہی دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ حدیث میں ہے:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا، "کوئی بھی مؤمن بندہ ایسا نہیں

ہے جس کا کوئی گناہ نہ ہو جو وہ وقتاً فوقتاً کرتا ہو، یا کوئی

گناہ اس میں راسخ نہ ہو جسے وہ دنیا سے رخصت ہونے تک

ترک نہ کرے۔ بے شک، مؤمن کو آزمائش کے لیے پیدا کیا

گیا ہے، وہ توبہ کرنے والا اور بھولنے والا ہوتا ہے۔ اگر اسے یاد

دلایا جائے، تو وہ یاد کر لیتا ہے"۔

ماخذ: المعجم الكبير للطبراني 11810

درجہ: صحیح (مستند) امام البانی کے مطابق

جس گناہ کو عادت کی وجہ سے مکمل ترک نہیں کر سکتے اس

کا طریقہ قرآن وحدیث نے سیکھایا ہے کہ جو گناہ ترک کرنا

آسان ہے اسے ترک کر دے اور جو گناہ عادت کی وجہ سے چھوڑ

نہیں سکتے اس کے بدلے نیکی کرے، توبہ (یعنی گناہ کو نیکی

سے مٹانے کی کوشش) سے گناہ ایسے معاف ہوتا ہے جسے کیا ہی

نہ ہو۔ اور عادۃً گناہ پر بھی اصرار مت کرنا کہ بس یوں ہی

کرلے۔ بلکہ عادۃً گناہ میں وقفہ اور تاخیر کیا کرے، عبادت

میں مشغول رہنے کی کوشش کرے۔

اس کا اشارہ مندرجہ ذیل آیت مبارکہ میں ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا

لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۟ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا

وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ: آل عمران 135 -

اور وہ کہ جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی اور برائی

کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی

بخشش مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا گناہ بخش بھی کون

کرسکتا ہے ؟ اور جان بوجھ کر اپنے افعال پر اڑے نہیں رہتے۔

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ

ترجمہ: ہود 114 -

کچھ شک نہیں کہ نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔

ابن ماجہ حدیث نمبر 4250 میں ہے :

التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ۔

ترجمہ: گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص جیسا ہے جس نے

کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو ۔

درجہ: شواہد کی بناء پر یہ حدیث حسن ہے۔

وحی کے دو مطالبے ہیں ۔

1) یا تو کوئی انفرادی گناہ مکمل ترک کیا جائے۔ (تمام

گناہ مکمل ترک کرکے معصوم بننے کی کوشش فطرت کے

خلاف ہے اور نا ممکن ہے۔) بعض گناہ یا خاص گناہ کو مکمل

ترک کیا جائے ۔ اس کو تَذَکُّر (نصیحت پکڑنا) کہتے ہیں ۔

2) یا اس گناہ کے بدلے نیکی کرے۔

گناہ کے اندازے کے مطابق نیکی کرے۔ شاہ صاحب رح

فرماتے ہیں جتنا میل اتنا صابن۔

اس کو خَشیَت (اللہ سے ڈرنا) کہتے ہیں ۔

وحی کا فائدہ اور مطالبہ مندرجہ ذیل آیت کریمہ میں ہے :

فَقُوۡلَا لَہٗ قَوۡلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّہٗ یَتَذَکَّرُ اَوۡ یَخۡشٰی ﴿۴۴﴾

ترجمہ: طٰہٰ 44 -

اور اس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ نصیحت پکڑے یا ڈر جائے

واضح رہے کہ تَذَکَّر یعنی نصیحت پکڑنا خاص گناہ کے بارے میں ہوتا ہے نہ کہ تمام گناہ کے بارے میں۔

مثلاً

جب وحی نے شراب کی حرمت کا اعلان کیا تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے شراب کو مکمل ترک کیا یعنی انہوں نے

نصیحت پکڑلیا اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے شراب پینا

ترک نہیں کیا لیکن شراب کی گناہ کے بدلے خوب نیکی کیا

کرتے تھے تاکہ اس گناہ کو نیکی سے مٹایا جائے اس کو خَشْیَت

یعنی اللہ سے ڈرنا کہتے ہیں۔ جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے شراب

نوشی ترک نہیں کی وہ مذکورہ بالا آیت پر عمل کرتے تھے۔۔

شراب نوشی کے معاملے جو گناہ ترک کرنا آسان ہوتا تھا وہ

ترک کرتے مثلاً کھلم کھلا شراب نہیں پیتے تھے، یہاں تک

کہ کسی کو بتاتے بھی نہ تھے کہ میں نے شراب پیا کیونکہ اس

پر بھی حدیث میں مذمت ہے ۔ کیونکہ کھلم کھلا شراب

نوشی میں دو گناہ ہے ایک شراب نوشی کی اور دوسرا ماحول کو

شراب نوشی سے خراب کرنے کی کہ دوسرے بھی ماحول کے اثر

کی وجہ سے شراب نوشی شروع کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کھلم کھلا

شراب نوشی ترک کرنا نسبتاً آسان ہے، اس لئے مومن اس کو

ترک کرتے ہیں ۔ اسلامی حکومت میں جو کوڑے اور رجم کی

سزا ہے وہ کھلم کھلا شراب نوشی اور زنا کی سزا ہے مطلق شراب

نوشی اور زنا کی نہیں ہے۔ اگر حد لگا دیا جاتا ہے تو صرف کھلم

کھلا گناہ والا سزا معاف ہو جاتا ہے ، زنا اور شراب نوشی کے لئے

الگ توبہ یعنی نیکیاں کرنا پڑے گا ۔

تَذَکّر اور خَشیَت میں کونسا عمل افضل ہے یہ نتائج سے پتہ

چلتا ہے، ظاہر میں متذکر افضل ہے لیکن کبھی کبھار خَشیَت

افضل ہوتا ہے کہ یہ نیکی کی طرف ترغیب دیتا ہے اور انسان خود

کو گناہگار اور عاجز سمجھتا ہے کہ یہ عجب اور خود بینی سے

بہتر ہے ۔

النوب کا معنی ہے بار بار رجوع کرنے والا ۔

جب گناہ کے بدلے نیکی کرتے رہو گے اور یہی تمھارا معمول ہو

تو اس کو کہتے ہیں گناہ سے نیکی کی طرف بار بار رجوع کرنے

والا ۔ غفلت سے اللہ کی یاد کی طرف رجوع کرنے والا ۔

صحیح مسلم میں ہے: نبی کریم ﷺ نے فرمایا

"میرے دل پر غفلت کا پردہ پڑ جاتا ہے، اور میں روزانہ اللہ

سے سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں"۔

سو مرتبہ سے کثرت مراد ہے یعنی نبی کریم ﷺ غفلت سے اللہ

کی یاد کی طرف بار بار اور کثرت سے رجوع کرتا ہے ۔

انابت یعنی بار بار رجوع کرنے والوں کے بارے میں ہدایت کی

خوش خبری ہے۔

وَيَهۡدِيٓ اِلَيۡهِ مَنۡ يُّنِيۡبُ۔ (الشوری 13) - ؙ

ترجمہ: اور جو اس کی طرف رجوع کرے اسے اپنی طرف راستہ دکھا دیتا ہے۔

اس پوسٹ کے چند فوائد:

اس پوسٹ کا حاصل یہ نہیں ہے کہ گناہ پر نڈر ہو جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ فرشتہ بننے کی امید میں توبہ (یعنی گناہ کو نیکی سے مٹانے کی کوشش) میں تاخیر نہ کرے اور نہ ہی گناہوں کی وجہ سے مایوس ہو کر نیکی کرنا ترک کرے اس نیت سے کہ میری نیکی کا کیا فائدہ، میں بے ایمان ہوں کہ میں فلاں فلاں گناہ کرتا ہوں اور چھوڑ نہیں سکتا، وغیرہ۔

اللہ کے ہاں نیکی کی بے انتہا قدر ہے چاہے ہزار گناہوں کے بعد

ہی کیوں نہ ہو۔

دوسری بات یہ کہ عوام اور بعض خواص میں یہ مشہور ہے کہ

وحی انسان سے فرشتہ بننے کا مطالبہ کرتا ہے۔

اس لئے لوگ اسے قبول نہیں کرتے ۔ انسان سوچتا رہتا ہے کہ

میں فلاں فلاں گناہ کرتا ہوں اور چھوڑ بھی نہیں سکتا تو

کیسے اسلام کے راستے کو اپناوں ۔ اللہ نے اس کا حل مذکورہ

بالا آیت میں بتا دیا ہے۔

یہ بھی یاد رکھے کہ رب سے تمام گناہوں کی معافی مانگے اگرچہ تمام گناہ چھوڑ نہیں سکتے۔

توبہ میں تاخیر بھی نقصان دہ ہے کہ موت کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی لمبی عمر کی حرص ختم ہوتی ہے مثلاً ساٹھ سال کی عمر میں سو سال کی امید لگائے بیٹھو گے۔

لہٰذا

فطرتی زندگی یہ ہے کہ صبح کے گناہ شام تک مٹانے کی کوشش کرے اور شام کے صبح تک۔ اس کا اشارہ صحیح مسلم

حدیث نمبر **6989** میں ہے: نبی کریم ﷺ نے

فرمایا

إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَبْسُطُ يَدَهُ بِاللَّيْلِ لِيَتُوبَ مُسِيءُ النَّهَارِ وَيَبْسُطُ

يَدَهُ بِالنَّهَارِ لِيَتُوبَ مُسِيءُ اللَّيْلِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا

ترجمہ: "بے شک اللہ رب العزت رات کے وقت اپنا ہاتھ (جسے

اللہ کی شان کے مناسب ہے) پھیلاتا رہتا ہے تاکہ دن کے گناہ گار

کی توبہ قبول کرے اور اپنا ہاتھ دن کو پھیلاتا رہتا ہے تاکہ رات

کے گناہ گار کی توبہ قبول کرے یہاں تک کہ سورج مغرب سے

طلوع ہو"۔

یہ طرز زندگی انسان کو بہت سے گناہوں سے دور رکھتا ہے یہ

سوچتے ہوئے کہ ان گناہوں کے بدلے نیکی بھی کرنا پڑے گا ۔

جس طرح کوئی اُدھار اس لئے نہیں لیتا کیونکہ اسے چکانے کے

لئے محنت کرنا پڑتی ہے ۔ اور اگر یہ طرز زندگی نہ اپنایا جائے

اور گناہ کرکے بے فکر ہو جائے اور بھول جائے تو اس پر وعید

ہے کہ ہدایت سے محروم ہوگا۔ الکھف آیت نمبر **57** میں

یہ خبر داری دی گئی ہے۔ شراب نوشی کرکے اس کو گناہ سے

مٹانے کی کوشش نہ کرنے والا مستقل شرابی کہلاتا ہے جس کی

وعید حدیث میں ہے کہ مستقل شرابی جہنمی ہے ۔

اور شراب نوشی کے بدلے خوب نیکیاں کرتا رہتا ہے تو وہ مستقل

شرابی نہیں کہلاتا اگرچہ ہزار بار یا مرتے دم تک پیتا رہے۔

یہ بھی ایک وجہ ہے کہ ہر گناہ پر زبردستی پابندی اور رکاوٹ

نہیں ہوتی کیونکہ اسلام انسان کو فرشتہ نہیں بلکہ توابین

(گناہوں کو نیکیوں سے مٹانے کی کوشش کرنے والا) بناتا ہے

اس لئے حقیقی مومن توابین ہوتا ہے کہ وہ اپنے گناہوں کو نیکیوں

سے مٹانے کی کوشش کرتا رہتا ہے ۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور دیگر اولیاء اللہ اور علماء اور مومنین

مغفور ہے نہ کہ معصوم اور انسان کی شان ہی مغفرت میں ہے،

انبیاء علیہم السلام کا معصوم ہونا ضرورت کی بنا پر تھا تاکہ دین کو یعنی اللہ کے احکامات اور قوانین کو سیکھنے میں آسانی ہو۔۔ اس پوسٹ کو پڑھ کر یہ واضح ہوا کہ مومن پر تنقید کرنا مناسب نہیں ہے بلکہ نصیحت و خیرخواہی کیا کرے۔

نوٹ:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے گناہ تعلیم کی نیت سے ذکر کرنے میں گستاخی نہیں ہے ۔ تنقید کی نیت سے کہنا نا مناسب ہے ۔ ادب کا تقاضا یہ ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے گناہ جب تعلیم کی نیت سے کہنا ہو تو ساتھ میں مغفور بھی کہا کرے کہ اللہ نے صحابہ

کرام رضی اللہ عنہ کے گناہ مٹا دیئے ہیں ۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور حق پرست علماء نے اتنے نیکیاں کی ہے کہ ان کے گناہ نیکیوں میں مٹ چکے ہیں اس لئے ان کے خلاف قلم استعمال کرنے کی بجائے اپنی فکرِ آخرت کرے کہ تمھارا کیا انجام ہوگا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

## خلافت کے چند اصول و ضوابط

( یہ میری ذاتی اجتہاد پر بنایا گیا پوسٹ ہے۔ اگر میں غلطی کر

بیٹھا ہوں تو اللہ مجھے معاف کرے اور اللہ اس پوسٹ سے بیزار

ہے اور اگر حق تک پہنچا ہوں تو یہ خالص اللہ کی طرف سے ہے )

خلافت کے کچھ ایسے اصول و ضوابط ہیں جن سے اکثر اہل

علم بھی ناواقف ہیں ۔

مثلاً :

ہر گناہ پر زبردستی نہیں ہوتی ہے کہ حکومت وغیرہ اس پر

پابندی لگائے کیونکہ انسان فرشتہ نہیں بن سکتا۔ بعض

گناہوں میں بندہ اور رب کا آپس کا معاملہ ہوتا ہے ۔

یہ کوڑے اور رجم مطلقِ شراب اور زنا کی سزا نہیں ہے بلکہ

اسلامی ماحول کو شراب اور زنا سے خراب کرنے کی سزا ہے یعنی

کھلم کھلا شراب اور زنا کی سزا ہے۔ کھلم کھلا شراب اور زنا

میں دو گناہ ہے ۔ ایک زنا اور شراب کی اور دوسرا اسلامی ماحول

کو شراب اور زنا سے خراب کرنے کی گناہ ۔ حد جاری کرنے

سے دوسرا گناہ معاف ہوتا ہے ۔ جبکہ زنا اور شراب کی گناہ باقی

رہتا ہے اس کے لئے الگ سے توبہ اور نیکیاں کرنا پڑے گا ۔

جب چار ایسے مردوں کے سامنے شراب پیا جائے جو وہ شرابی

نہیں ہے تو یہ کھلم کھلا شراب پینے میں شمار ہوتا ہے جب یہ

چار (غیر شرابی) مرد چشم دید گواہی دے تب حکومت قانونی

کارروائی کرے گی۔ اگر کیمرہ میں دیکھا جائے یہ بھی معتبر

نہیں ہے ۔

اسی طرح بند کمرے میں اگر کوئی زنا کرتا ہے اور بغیر اجازت

کے کمرے میں کوئی اندر آئے اور پھر گواہی دے کہ میں نے

زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے تو اس گواہ کو ہی تعزیراتی سزا دے دیا

جائے کیونکہ یہ اجازت کے بغیر کمرے میں گھس آیا ہے ۔

اس لئے اس کے لئے کوئی قانونی حکمت عملی اختیار کرنا پڑے

گا مثلاً لیسنس بنایا جائے کہ جن کے پاس لسنس ہو وہ شراب

خرید و فروخت کر سکتا ہے اور چپ کر پی سکتا ہے لیکن غیر

شرابی لوگوں کے سامنے نہ خرید و فروخت کرے گا اور نہ ہی پیئے گا۔

نوٹ: لسنس ملنے کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ شراب کی تجارت اور پینا حلال یا جائز ہوا۔ صرف اتنا ہے کہ حکومت کی طرف سے کوئی قانونی کاروائی نہیں ہوگی جب تک کہ چار غیر شرابی مردوں کی چشم دید گواہی نہ ہو ۔ یہ اللہ کا اور شرابی کا آپس کا معاملہ ہوگا۔ اللہ اپنی طرف سے جھٹکے دیں گے یا پھر آخرت کے لئے سزا جمع کرے گا یا بالکل معاف کرے گا ۔ اللہ کی مرضی ہے۔

اصل میں اسلام انسان کو فرشتہ نہیں بناتا اور نہ ہی فرشتہ

اور معصوم بننے کا مطالبہ کرتا ہے بلکہ گناہوں کو نیکیوں سے

مٹانے کا مطالبہ کرتا ہے ۔ ورنہ اللہ سب کو زبردستی ہدایت

یافتہ بناتا جیسا کہ قرآن میں کئی جگہ ارشاد ہوا ہے یہ۔

حکومت، والدین وغیرہ کی جانب سے ہر گناہ پر پابندی اس

دنیا کے مقصد کو ہی ختم کر دیتا ہے جو کہ دار امتحان ہے۔

اور اگر ہر گناہ پر پابندی لگایا جائے تو انسان کو وحی کی

ضرورت اور حکمت واضح نہیں ہوگی ۔

اسلامی عقائد اور نظریات اپنا کام بہتر کرتا ہے۔ (اسے پھیلنے

دو)

واللہ تعالیٰ اعلم

## فقہ

سپیکر (مہمان سے): اُٹھو مت بیٹھو

اس جملے کے دو مطلب ہے ۔ کھڑے ہو جاؤ ۔ اور بیٹھے رہو۔

لیکن مطلب وہ تلاش کرنا ہے جو سپیکر کی مرضی کا ہے۔

(1 ایک شخص اکڑ بکڑ سے یعنی تخمینہ اور اندازے لگا کر ان دو میں سے ایک مطلب کا انتخاب کرتا ہے ۔

(2 دوسرا شخص دلیل پیش کرتا ہے کہ سپیکر بد تمیز اور بد لحاظ ہے اور دنیا پرست ہے۔ اس لئے مہمان کو کھڑے ہونے کے لئے کہتا ہے ۔

(3 تیسرا شخص دلیل پیش کرتا ہے کہ مہمان مالدار ہے اس لئے یہ مالداروں کے ساتھ بد تمیزی نہیں کرتا تو وہ مفہوم بیان کرتا ہے بیٹھے رہنے کا۔

پہلا شخص تخمینہ اور اندازے لگاتا ہے جو کہ کافروں اور

مشرکین کا حال ہے ۔

"اور وہ کہتے ہیں کہ ہماری زندگی بس دنیا کی ہی زندگی ہے،

ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں، اور ہمیں صرف زمانہ (وقت) ہی

ہلاک کرتا ہے۔ اور انہیں اس کا کوئی علم نہیں ہے، وہ محض

اٹکل دوڑاتے ہیں۔" (الجاثیہ **(24 -**

دوسرا اور تیسرا شخص دلائل کا استعمال کرتے ہیں ۔

شریعت اللہ کے تشریعی احکامات اور قوانین کا نام ہے جو وحی

(قرآن و حدیث) کے ذریعے ہم تک پہنچایا جا چکا ہے۔

قرآن و حدیث یعنی شریعت کو انسان سمجھنا چاہتا ہے تاکہ اللّٰہ کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کر سکیں ۔ انسان کا شریعت کی سمجھ کو فقہ کہتے ہیں ۔ لہٰذا قرآن و حدیث شریعت ہے اور اس کی انسانی سمجھ فقہ ۔

مذکورہ بالا جملے کی طرح قرآن و حدیث کے مختلف معنی اور مفہوم ہوتے ہیں ، ان سمجھ اور مفہوم کو فقہ کہتے ہیں ۔ لیکن فقہ میں یہ کوشش کی جاتی ہے کہ قرآن و حدیث میں اللّٰہ کی کیا مرضی ہے۔

اپنی خواہش کے مطابق اکڑ بکڑ سے یا تخمینہ اور اندازے لگا کر مفہوم نہیں لیا جاتا بلکہ دلائل کا سہارا لے کر اللہ کی مرضی تلاش کی جاتی ہے ۔ ذہن میں قرآن کی آیت یا حدیث یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے اقوال موجود ہوں گے ۔

جب دلائل کے اعتبار سے بھی مسئلہ تمہیں حل نہیں ہوتا کہ اللہ کی مرضی کیا ہے مثلاً رفع الیدین منسوخ ہے یا اب بھی مستحب ہے ۔ تو اس کے بارے میں حدیث میں ہے مفہوم:

جب تم کسی عمل کے بارے میں شک میں ہو کہ جائز ہے یا ناجائز تو اس کو ترک کردے اور یقینی جائز عمل کو اپنائے

۔ رفع الیدین ترک کرنا یقینی جائز ہے تو حدیث کے مطابق

ترک کرے۔

لیکن بعض مسائل ایسے ہوتے ہیں کہ آپ کو ان میں ایک کا

انتخاب کرنا ہی پڑے گا تو پھر دل میں جو اللہ کی مرضی لگے

اس پر عمل کرنا۔

واضح رہے کہ اللہ کی مرضی معلوم کرنے کے لئے ضد و عناد

(تکبر ، شخصیت پرستی ، تعصب اور اب و جد) سے پرہیز

ضروری ہے ۔ ان چار وجوہات میں سے ایک بھی ہو تو ہلاکت

ہے۔

)ضد و عناد کی ان چار وجوہات کو ہلکا مت لے۔ پیڑ کے نیچے

تنہا بیٹھ کر ان کے نتائج اور اثرات پر خوب غور کریں اور اللہ

کے سامنے گڑگڑائیں اور ان سے بچنے کی دعائیں مانگتا رہے(۔

ضد و عناد ایمان کی ضد ہے یعنی ضد و عناد ایمان لانے کے لئے

رکاوٹ ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

## عبد

لغت میں بندہ یا غلام کو کہتے ہیں ۔

اصطلاح میں عبادت کرنے والے کو عبد کہتے ہیں ۔

جس کی عبادت کی جاتی ہے اس کو معبود کہتے ہیں ۔

انتہائی درجے کے عاجزی اور بے بسی کے اظہار کا نام عبادت ہے

۔

عبد ہر حال میں اور ہر معاملے میں معبود کا محتاج ہوتا ہے جو

کہ بہت جامعیت ہے اس میں کیونکہ محتاجی کے احوال بے

شمار ہے۔

ان سب محتاجی کا جامع یہ ہے کہ عبد معبود کے احکامات اور

فیصلے کے سامنے انتہائی درجے کے عاجز اور بے بس ہے کہ معبود

کا حکم اور فیصلہ اٹل ہوتا ہے یعنی معبود حاکم ہوتا ہے ۔

عبادت عبد اور معبود کے درمیان چیز ہے کہ معبود اٹل حکم اور

فیصلہ جاری کرتا ہے اور عبد اس اٹل حکم اور فیصلہ کو حق

سمجھ کر تسلیم کرتا ہے۔۔ چونکہ معبود کا فیصلہ اٹل ہوتا ہے

جس کے سامنے غیرِ معبود کے فیصلے کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی

ہے اس لئے عبد غیرِ معبود کے احکامات اور قوانین کو باطل

سمجھے گا یا غیرِ معبود کے احکامات کو معبود کے احکامات کے

تابع کرے گا کہ معبود کی وجہ سے غیر معبود کا حکم مانے گا

جو کہ در حقیقت معبود کی ہی تابعداری ہوتی ہے ۔

پس عبد اس کو کہتے ہے جو معبود کے احکامات اور قوانین کو

حق اور اٹل سمجھ کر قبول کرتا ہے ۔

یہ معاملہ خواہ کسی کے ساتھ بھی کرتا ہو تو وہ اس کا معبود

کہلائے گا اور یہ اس کا عبد ۔

اگر کسی کی تابعداری تو کرتا ہے لیکن اس کو حق سمجھ کر

نہیں کرتا تو وہ اس کا معبود نہیں کہلائے گا ۔

فرعون نے زمین اور آسمان کی پیدائش کا دعویٰ نہیں کیا تھا

بلکہ اپنے ہی خود ساختہ قوانین جاری کئے تھے اس لئے اسے

خدائی کا دعویدار قرار دیا گیا ۔

اسی طرح مغربی جمہوریت میں عوام نمائندگان مقرر کرتے

ہیں اور وہ اکثریت پر قانون سازی کرتے ہیں ۔

جبکہ اسلامی حکومت اللہ کا ہی قانون نافذ کرتے ہیں، بعض

فیصلوں میں اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے اور وحی (قرآن و

حدیث) سے اجتہاد کیا جاتا ہے ۔

اصل میں معبود صرف ایک ہی ممکن ہوتا ہے کیونکہ عبد

معبود کے سامنے انتہائی درجے کا عاجز اور بے بس ہوتا ہے کہ

معبود عبد کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ کرے تو اس کو ٹالنے

والا کوئی نہیں ۔

مثلاً بارش برسانے کا اٹل فیصلہ معبود کے اختیار میں ہوتا ہے

۔ تو عبد اس معبود کے سامنے ہی گڑگڑائے گا ، اگر کوئی اور

بارش برسا سکتا یا معبود کو سفارش سے مجبور کیا جا سکتا تو

عبد کے پاس کسی اور سے مانگنے کا آپشن ہوتا اسی طرح عبد

معبود کا انتہائی درجے کے عاجز اور بے بس نہ ہوتا۔ اسی طرح

معبود کوئی نہ ہوتا اور یہ دھریہ کا نظریہ ہے۔ جو کہ باطل ہے

کیونکہ زمین اور آسمان کی پیدائش میں غور و فکر کر کے

انسان اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ ایک ذات سپر پاور ہے

جس کے سامنے ہم انتہائی درجے کے عاجز اور بے بس ہے ۔

اور اگر یہ مانا جائے کہ ہر چیز خود بخود پیدا ہوئی ہے تو پھر ہر

چیز سپر پاور ہونی چاہئے کیونکہ خود کو عدم سے وجود بخشنا

بھی سپر پاور کے زمرے میں ہی آتا ہے ۔

عبد کو معبود سے احکامات وصول کرنے کے لئے کوئی ذریعہ بھی

چاہئے اور عبد کو رہنمائی بھی چاہئے اس لئے عبد معبود کے پیغام

کا متلاشی ہوتا ہے اور اسے ایک کتاب مل جاتا ہے جس میں

احکامات اور رہنمائی ہوتی ہے اور کتاب کی حکمت کو دیکھ کر پتہ چل جاتا ہے کہ یہ میرے معبود کی طرف سے ہی ہے ۔۔۔

اس طرح وہ کتاب سے اپنے معبود کی معرفت اور پہچان حاصل کرتا ہے ۔۔

اس واحد حق معبود کا نام اللّٰہ ہے۔

ہر معاملے کے لئے احکامات اور قوانین اللّٰہ نے بنائے ہے اور اللّٰہ کے احکامات اور قوانین کو حق سمجھ کر ان قوانین کے مطابق تابعداری کرنے کو وہ عبادت کہتے ہیں جو اللّٰہ کو پسند ہے اور اس پر اجر و انعام کا وعدہ ہے۔

عبادت کے جس طریقے کا حکم اللہ نے نہیں کیا اس کو بدعت

کہتے ہیں اور اللہ کو پسند نہیں اور اجر و ثواب نہیں ۔

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ (یوسف 40) -

ترجمہ: حکم بس اللہ ہی کا ہے ۔

حکم تکوینی اور حکم تشریعی صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔

حلال اور حرام مقرر کرنا اللہ کا کام ہے۔

خلاصہ:

جو شخص اللہ کے احکامات اور قوانین کو حق سمجھ قبول کرتا

ہے تو وہ اللہ کا بندہ اور غلام کہلایا جاتا ہے ۔

غیر اللہ کا حکم اللہ کے حکم کی وجہ سے مانا جاتا ہے ۔ یعنی اللہ کے حکم کے تابع ہوتا ہے ۔ مثلاً ماں باپ کا وہ حکم ماننا فرض ہے جو جائز ہو ۔ یہ اللہ کے حکم کی وجہ سے ہے۔ اور یہ اصل میں اللہ کی غلامی ہے نہ کہ والدین کی ۔

اور اگر غیر اللہ کا حکم اللہ کے حکم کی وجہ سے نہیں مانا جاتا لیکن حق بھی نہیں سمجھتا تو گناہ ہے لیکن کفر نہیں ۔

---

سوال یہ ہے کہ اللہ کے احکامات کو حق سمجھ کر قبول کرنے کو ایمان اور غلامی کہا گیا ۔ عمل اور تابعداری کا تو ذکر ہی نہیں کیا۔

جواب:

اللہ نے انسان کی فطرت کے مطابق احکامات اور قوانین بنائے ہیں ۔ انسان جب اللہ کے احکامات اور قوانین کو حق سمجھ کر قبول کرے گا تو یہ قوانین اور احکامات فطرتِ انسانی کو عمل کی طرف مائل کرتا رہے گا اور انسان کو توابین بنائے گا کہ گناہ کو نیکی سے مٹانے کی کوشش کرتا رہے گا اور مرتے دم

تک یہ حال ہوگا ۔ اس طرح گناہ سے جو فساد پھیلتا ہے وہ نیکی

سے مٹ جاتا ہے ۔

اس کے بر عکس کافر یا منافق ہوتا ہے جو گناہ کرکے بے فکر ہو

جاتا ہے یا پھر بدعت سے مٹانے کی کوشش کرتا ہے ۔ اور

بدعت سے فساد مٹ نہیں جاتا ۔

) اس سے بھی اندازہ لگائے کہ فطرتِ انسانی ایک پوشیدہ اور

باطن چیز ہے اس کے مطابق قوانین بنانے کے لئے ہمیں وحی کی

ضرورت ہے (

اور دوسری بات قرآن و حدیث میں اللہ کے احکامات اور

قوانین کو معلوم کرنے کے لئے اور پھر ان قوانین کو حق

سمجھنے کے لئے ضد و عناد (تکبر ، شخصیت پرستی ، تعصب

اور اب و جد) سے پرہیز کرنا پڑے گا ۔ اور یہی پرہیز انسان کو

توابین بناتا ہے ۔ (اس پرہیز کا نام ایمان ہے، یعنی ایمان کے لئے

دروازہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم )

ایمانِ مجمل:

آمَنْتُ بِاللهِ كَمَا هُوَ بِأَسْمَائِهِ وَصِفَاتِهِ وَقَبِلْتُ جَمِيعَ أَحْكَامِهِ

إِقْرَارًا بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيقًا بِالْقَلْبِ۔

ترجمہ: میں اللہ پر ایمان لایا ، جیسا کہ وہ اپنے ناموں اور

صفات کے ساتھ ہے (یعنی جیسے اللّٰہ کی شان کے مناسب نام اور

صفات ہیں جن کی مکمل حقیقت اللہ کو معلوم ہے)، اور میں

نے اس کے تمام احکام کو دل سے تسلیم کیا اور زبان سے اقرار

کیا۔

---

اس پورے متن کا ایک اور تعبیر میں یہ مطلب ہوا

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ ﷺ سے مراد قرآن و حدیث ہے یعنی محمد

ﷺ اللہ کے احکامات (قرآن و حدیث) کا عملی مجسمہ ہے

اور اللہ ہمارا معبود اور ہم اللہ کے عِباد ۔۔

عبادت توحید فی الذات والصفات والافعال کا نتیجہ ہے ۔

اللّٰہ کے احکامات اور قوانین کو حق سمجھ کر قبول کرنا اور غیر اللّٰہ کے احکامات کو اللہ کے احکامات کا تابع سمجھنا اللّٰہ کے احکامات (قرآن و حدیث یا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ) کو سب سے زیادہ محبوب سمجھنے کا ادنیٰ تقاضا ہے اور عمل اس محبتِ الٰہی کو بڑھاتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

## تقویٰ: عقیدۃً اور عملاً

عقیدۃً تقویٰ ایسا اختیار کر جیسا اللّٰہ کی شان کے مناسب ہے

کہ مثلاً اللّٰہ مجھے نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے تو پوری دنیا

مل کر بھی مجھے اللّٰہ سے نہیں بچا سکتا۔ زہر میرا کچھ

نہیں بگاڑ سکتا جب اللّٰہ میری حفاظت کرے، وغیرہ ۔

اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ (آل عمران **(102** -

ترجمہ: اللّٰہ سے (عقیدۃً) ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

اور عملاً تقویٰ اپنی استطاعت کے مطابق اختیار کر۔

اللہ نے جو فرائض اور زمہ داریاں ہم پر مقرر کر دی ہے وہ

آسان ہے مثلاً ہم سے زہر کھا کر تقویٰ کے عملی ثبوت کا مطالبہ

اللہ نے نہیں کیا۔

تاہم شریعت کا کوئی حکم اور فریضہ اگر استطاعت سے سچ

مچ باہر ہو تو وہ فریضہ ساقط ہو جاتا ہے مثلاً معذور بیٹھ کر

نماز ادا کرتا ہے ۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التغابن 16) -

ترجمہ: سو تم اللہ سے (عملی) ڈرو جہاں تک تمہاری طاقت ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

# حکم

اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ (یوسف 40) -

ترجمہ: اللّٰہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے۔

حکم تکوینی اور تشریعی کا اختیار صرف اللّٰہ کا ہے۔

حلال و حرام کا اٹل فیصلہ کرنے کا اختیار صرف اللّٰہ کا ہے۔

مثلاً:

اللّٰہ نے حکم اور فیصلہ کیا کہ زنا کا برا اثر مرتب ہو گا اگر اللّٰہ

چاہے تب۔ یعنی زنا حرام ہے ۔

اب اللّٰہ کے اس حکم کو حق اور سچ سمجھنا ، کہ ایسا ہی ہو گا جیسا اللّٰہ نے حکم اور فیصلہ کیا، ایمان کا تقاضا ہے ۔

غیر اللّٰہ سے مراد اللّٰہ کے علاوہ جو بھی ہو یعنی ساری مخلوق چاہے نفس ہو، خواہش ہو، ایک شخص ہو یا اکثریت ہو یہ سب غیر اللّٰہ میں داخل ہے ۔

غیر اللّٰہ نے حکم کیا کہ زنا حلال ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زنا کا اچھا نتیجہ مرتب ہو گا مثلاً جنت میں درجات بلند ہوں گے یا خیر ملے گا۔

اس نیت سے غیر اللّٰہ کا حکم ماننا اور حق سمجھنا کفر ہے کہ ہاں ایسا ہی نتیجہ اور اثر مرتب ہو گا جیسا غیر اللّٰہ نے فیصلہ کیا ہے ۔

کفر کی وجہ یہ ہے کہ اس کائنات کا متصرف اور مدبر اکیلے اللّٰہ ہے، اس تقدیر کا خالق اور اختیار مند اکیلے اللّٰہ ہے جو نتائج مرتب ہوتے ہیں، وہ اللّٰہ کی مشیت اور فیصلے کے مطابق مرتب ہوتے ہیں ۔ جو حکم اور اٹل فیصلہ اللّٰہ کرے گا ویسا ہی ہو گا اور اللّٰہ کے فیصلے کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور نہ اللّٰہ کو کوئی کمزور کر سکتا ہے ۔

ایسے میں غیر اللہ کے حکم کو حق اور سچ سمجھنے کا مطلب

یہ ہوا کہ غیر اللہ کا بھی اللہ کے فیصلوں میں شراکت ہے کہ

جب غیر اللہ نے حکم اور فیصلہ کیا کہ زنا کا اچھا نتیجہ

مرتب ہوگا تو ایسا ہی ہوگا ۔ یہ شرک فی الحاکمیت ہے۔۔

اگر غیر اللہ کے حکم کی تابعداری تو کر لی، مثلاً زنا کیا،

لیکن اس نیت سے کہ زنا کا نتیجہ اور اثر وہی مرتب ہوگا جو

اللہ چاہے گا تو یہ گناہ ہے کفر نہیں ہے کیونکہ اس نے غیر اللہ

کو تقدیر کا مالک اور متصرف نہیں سمجھا ۔

اس کا فائدہ یہ ہے کہ انسان زنا کر کے فکر مند رہے گا کہ برے

نتیجے کو میں کیسے برداشت کر سکوں گا تو وہ یا بلکل زنا

ترک کرے گا یا پھر زنا کر کے خوب نیکیاں کرتا رہے گا تا کہ

نیکیاں زنا کے برے اثرات اور نتائج کو مٹا سکے جیسا کہ

ارشاد ہے

اِنَّ الۡحَسَنٰتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّاٰتِ‌ؕ (ھود 114) -

ترجمہ: کچھ شک نہیں کہ نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں

یا

کچھ شک نہیں کہ نیکیاں گناہوں کے اثرات کو دور کردیتی

ہیں۔

ہم جو بھی تدبیر اور اجتہاد کرتے ہیں اس کا وہی نتیجہ مرتب

ہوگا جو اللہ نے چاہا ہے ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

## ایمانِ مجمل

آمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِأَسْمَائِهِ وَصِفَاتِهِ وَقَبِلْتُ جَمِيعَ أَحْكَامِهِ

إِقْرَارًا بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيقًا بِالْقَلْبِ۔ ◌ِ

ترجمہ: میں اللہ پر ایمان لایا، جیسا کہ وہ اپنے ناموں اور

صفات کے ساتھ ہے اور میں نے اس کے تمام احکام کو دل سے

تسلیم کیا اور زبان سے اقرار کیا۔

ایمان مجمل میں دو چیزوں پر ایمان لایا جاتا ہے ۔

(1 اللّٰہ کی معرفت پر ایمان لانا

(2 اللّٰہ کے احکامات اور قوانین کو حق سمجھ کر قبول کرنا

۔

اللّٰہ کی معرفت پر مخلوق احاطہ نہیں کر سکتا ۔ تو سوال یہ ہے

کہ کتنی معرفتِ الٰہی ضروری ہے جو بقدرِ ضرورت حق معرفت

ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کی معرفت کا پیمانہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ

ہے۔ کہ عبادت کے مفہوم کو سمجھتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچ

جائے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔۔ (کہ ہم

اللہ کے فیصلے کے سامنے انتہائی درجے کے عاجز اور بے بس

ہیں، اللّٰہ کے فیصلے کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور نہ اللّٰہ کو

کمزور کیا جا سکتا ہے)۔

اگر اللہ کے فیصلے کے سامنے انتہائی درجے کے بے بس نہ ہو تو

معرفتِ الٰہی میں نقصان (کفر و شرک) ہے۔

ہم نیکیاں اور دعائیں اللّٰہ کے حکم کی وجہ سے اور اللہ کے

حکم کے مطابق کرتے ہیں اور اللہ اپنے فضل و عدل سے قبول

کرتا ہے نہ کہ مجبور ہو کر۔ اللہ کے ہاں نیکیوں اور دعاؤں کی

قدر ہے۔

اللہ کے احکامات اور قوانین کا عملی مجسمہ محمد رسول اللہ

ﷺ ہے جسے قرآن و حدیث سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔

جو عبادت اور نیکی قرآن و حدیث سے ثابت ہو صرف وہی

عبادت اللہ کے حکم کے مطابق ہے باقی بدعت ہے جو کہ اللہ کو

منظور نہیں ۔

قصداً اور جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ باندھنے والے کا ٹھکانہ

حدیث کے مطابق جہنم ہے۔

اجتہادی خطا معاف ہے حدیث کے مطابق ۔

اللہ کے احکامات کے علاوہ کوئی اور قوانین اور احکامات کو

حق سمجھا تو یہ شرک فی الحاکمیت ہے ۔۔ اگر حق نہیں

سمجھا لیکن عمل کیا تو گناہ ہے کفر و شرک نہیں ۔

لہذا ایمان مجمل یہ ہوا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ

(ﷺ)۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔۔ اللہ کی معرفت ہے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ۔۔ اللہ

کے احکامات اور قوانین ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

## ایمان اور ضد و عناد

ضد و عناد ایمان لانے کے لئے رکاوٹ ہے ۔ اللّٰہ کو اور اللّٰہ کے احکامات اور قوانین کو حق اور سچ سمجھنے کے لئے ضد و عناد رکاوٹ ہے۔

ضد و عناد کی وجوہات میں تکبر، شخصیت پرستی ، تعصب اور اب و جد شامل ہیں ۔

مکہ کے بعض مشرکین کے دل بے اختیار گواہی دیتے تھے کہ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ ﷺ حق پر ہے لیکن یہ گواہی بے اختیار تھی

اور اللہ کے لئے نہ تھی۔ ضد و عناد کی وجہ سے اختیاری ایمان

نہیں لاتے تھے۔

جبکہ

مومن ضد و عناد کو مات دے کر اختیاری ایمان لاتا ہے ۔

مومن اپنے مجازی اختیار سے دل کے قصد و ارادہ سے ایمان لاتا

ہے اور اللہ کی رضامندی اور لازوال اجر (جنت) کے لئے لاتا ہے ۔

اپنے ایمان کو وسیلہ میں پیش کرکے مغفرت کا طلبگار ہوتا ہے ۔

إِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا

وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ ج

ترجمہ: (المؤمنون 109) -

بلاشبہ بات یہ ہے کہ میرے بندوں میں سے ایک جماعت تھی،

جو یوں دعا کرتے تھے کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے سو

آپ ہمیں بخش دیجیے اور ہم پر رحم فرمائیے اور آپ سب

رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والے ہیں۔

ایمان کو وسیلہ میں پیش کرنا کئی جگہ ذکر ہے قرآن و حدیث

میں ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

## جہنمی کی چھ چیخیں

ابن عباس رَضِیَ اللہُ عَنہُ سے نقل ہے کہ جہنمی چھ درخواستیں کریں گے (چیختے چلاتے ہوئے درد اور ہیبت کے مارے) اور ہر درخواست کا ہزار سال بعد جواب دیا جائے گا۔

( 1 وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَآ
اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۝

ترجمہ: السجدہ 12 -

اور اے مخاطب ! اگر تو اس موقعہ کو دیکھے جبکہ مجرم

لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں گے تو عجیب

منظر دیکھے گا۔ یہ لوگ کہہ رہے ہوں گے کہ اے ہمارے رب

ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا سو ہم کو واپس بھیج ہم نیک عمل

کریں گے بلاشبہ ہمیں یقین آگیا۔

ہزار سال بعد جواب دیا جائے گا

وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ

اَجْمَعِيْنَ ۝

ترجمہ: السجدہ 13 -

اور لیکن میری طرف سے یہ بات طے ہو چکی ہے کہ میں ضرور

جہنم کو جنات سے اور انسانوں سے بھر دوں گا جو اس میں

اکٹھے ہوں گے۔

(2 قَالُوۡا رَبَّنَاۤ اَمَتَّنَا اثۡنَتَيۡنِ وَاَحۡيَيۡتَنَا اثۡنَتَيۡنِ فَاعۡتَرَفۡنَا بِذُنُوۡبِنَا

فَهَلۡ اِلٰى خُرُوۡجٍ مِّنۡ سَبِيۡلٍ ۝

ترجمہ: غافر/مومن 11 -

وہ لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے رب آپ نے ہمیں دو بار موت

دی اور دو بار زندگی سو ہم نے اپنے گناہوں کا اقرار کرلیا تو کیا

نکلنے کی کوئی راہ ہے۔

جواب

ذٰلِكُمۡ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِىَ اللّٰهُ وَحۡدَهٗ كَفَرۡتُمۡ‌ ۚ وَاِنۡ يُّشۡرَكۡ بِهٖ تُؤۡمِنُوۡا ؕ

فَالۡحُكۡمُ لِلّٰهِ الۡعَلِىِّ الۡكَبِيۡرِ ۝

ترجمہ: غافر/مومن 12 -

یہ اس وجہ سے ہے کہ جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا تھا تو تم

انکار کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جاتا

تھا تو اسے مان لیتے تھے سو فیصلہ اللہ ہی کے لیے ہے جو بلند ہے

بڑا ہے۔

(3 وَنَادَوۡا يٰمٰلِكُ لِيَقۡضِ عَلَيۡنَا رَبُّكَ‌ؕ (الزخرف -

77)

ترجمہ: اور وہ پکاریں گے کہ اے مالک! تیرا پروردگار ہمارا

کام تمام کردے

قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۞ (الزخرف - 77)

ترجمہ: وہ جواب دیں گے کہ بیشک تم اسی میں رہو گے۔

(4 رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ

الرُّسُلَؕ (ابراهیم - 44)

ترجمہ: اے ہمارے رب تھوڑی سی مدت کے لیے ہمیں مہلت

دیجیے ہم آپ کے بلاوے کو قبول کریں گے اور رسولوں کا اتباع

کریں گے

أَوَلَمْ تَكُونُوٓا أَقْسَمْتُم مِّن قَبْلُ مَا لَكُم مِّن زَوَالٍ ۝ (ابراھیم

- 44)

ترجمہ: کیا تم نے اس سے پہلے قسم نہ کھائی کہ ہمیں کہیں

جانا ہی نہیں۔

(5 رَبَّنَآ أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۚ

ترجمہ: (فاطر (37 -

اے ہمارے رب ہمیں دوزخ سے نکالیے ہم ان اعمال کے علاوہ

دوسرے عمل کریں گے جو کیا کرتے تھے

جواب

اَوَلَمۡ نُعَمِّرۡكُمۡ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيۡهِ مَنۡ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيۡرُ‌ؕ فَذُوۡقُوۡا

فَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ نَّصِيۡرٍ ۝

ترجمہ: (فاطر 37) -

کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں وہ شخص

سمجھ سکتا تھا جو سمجھنا چاہتا، اور تمہارے پاس ڈرانے

والا آیا تھا، سو تم چکھ لو، سو ظالموں کے لیے کوئی بھی مددگار

نہیں۔

(6 رَبَّنَاۤ اَخۡرِجۡنَا مِنۡهَا فَاِنۡ عُدۡنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوۡنَ ۝

ترجمہ: (المؤمنون 107) -

اور اے ہمارے رب ہمیں اس سے نکال دیجیے پھر اگر ہم

دوبارہ کریں تو بلاشبہ ہم ظالم ہو نگے۔

جواب

قَالَ اخۡسَـُٔوۡا فِيۡهَا وَلَا تُكَلِّمُوۡنِ ۝

ترجمہ: (المؤمنون (108 -

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ تم اسی میں راندے ہوئے پڑے رہو

اور مجھ سے بات نہ کرو۔

) اخۡسَـُٔوۡا فِيۡهَا) کے جواب کے بعد دوزخ کے دروازے بند کردیئے

جائیں گے وہ اسی میں جلتے رہیں گے۔

جہنم میں چیخنا یا صبر کرنا دونوں بے فائدہ ہیں ۔

اس کے برعکس مومن کہیں گے

اِنَّا كُنَّا مِنۡ قَبۡلُ نَدۡعُوۡهُ‌ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡبَـرُّ الرَّحِيۡمُ ۝

ترجمہ: (الطور 28) -

بلاشبہ ہم پہلے اس سے دعائیں مانگا کرتے تھے، بیشک وہ بڑا

محسن ہے مہربان ہے۔

وَقَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡۤ اَذۡهَبَ عَنَّا الۡحَزَنَ‌ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوۡرٌ

شَكُوۡرُ ۝

ترجمہ: (فاطر 34) -

اور وہ کہیں گے کہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہم

سے غم کو دور فرما دیا۔ بلاشبہ ہمارا رب بڑا بخشنے والا ہے

خوب قدر دان ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

## شرک سے پاک زندگی بسر کرنے والے توابین کے لئے خوشخبری

اِلَّا مَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمۡ

حَسَنٰتٍ‌ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۝

ترجمہ: (الفرقان 70) -

سوائے اس کے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل

کیے سو یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ نیکیوں سے بدل

دیگا، اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے

حضرت ابوذر (رض) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا اللہ

تعالیٰ کی طرف سے فرمان ہوگا کہ اس کے سامنے اس کے صغیرہ

گناہ پیش کرو اور بڑے گناہوں کو علیحدہ رکھ دو لہٰذا اس سے

کہا جائے کہ تو نے فلاں فلاں دن اور فلاں فلاں دن ایسے ایسے

کام کیے ہیں وہ اقرار کرے گا منکر نہ ہوگا۔ اس بات سے ڈرتا

ہوگا کہ بڑے گناہ باقی ہیں وہ سامنے لائے گئے تو کیا ہوگا اللہ

تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ اس کے ہر گناہ کے بدلہ اس کو ایک ایک

نیکی دے دو یہ سن کر (خوشی کی وجہ سے اور یہ جان کر کہ ہر

گناہ پر ایک نیکی مل رہی ہے) یوں کہے گا ابھی میرے گناہ اور

باقی ہیں جن کو میں نہیں دیکھ رہا ہوں (وہ گناہ بھی پیش کیے

جائیں اور ان کے بدلہ میں بھی ایک ایک نیکی دی جائے) یہ

بات بیان کرتے وقت رسول اللہ ﷺ کو ایسی ہنسی آئی کہ

آپ کی مبارک ڈاڑھیں نظر آگئیں۔ (مشکوۃ المصابیح ص از

مسلم) (صحیح مسلم **(190/467**

واللہ تعالیٰ اعلم

لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ

یہ یونس علیہ السلام کی دعا ہے۔ حدیث میں ہے مفہوم: جو میرے بھائی یونس علیہ السلام کی دعا کے ساتھ دعا کرے تو اللہ ضرور قبول کرتا ہے ( اپنے فضل و رحمت سے نہ کہ مجبور ہو کر)

عوام میں مشہور ہے کہ اس دعا کو ایک لاکھ وغیرہ مرتبہ پڑھنے سے پختہ ہو جائے گا پھر جو دعا مانگے قبول ہوگی ۔ حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے ۔

اس دعا میں تین پہلو ہیں :

1 ) لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ -- میری حاجت صرف اللہ کے پاس ہے۔ اللہ ہی میری دعا قبول کر سکتا ہے ۔

2 ) سُبْحٰنَكَ -- تمام عیبوں سے پاک ہے ۔ بخیل نہیں ہے ۔ دعا قبول کرتا بھی ہے ۔

3) اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۔۔ اپنی عاجزی اور محتاجی کا

اظہار کرے۔ مجھے اللہ نے بہت کچھ دیا ہے لیکن جس طرح

اللہ کی شان ہے اس کے مطابق میرے پاس بہت کچھ ہوتے ہوئے

بھی کم ہے۔ میں صرف اللہ کا محتاج ہوں۔

ان تین پہلوؤں کو مد نظر رکھتے ہوئے جب دعا مانگی جائے تو

ضرور قبول کی جائے گی ۔

اسی طرح ایک بار کہنا بھی کافی ہے۔ ایک لاکھ مرتبہ کہنا

ضروری نہیں ہے ۔

عوام میں یہ بھی مشہور ہے جو مانگا اور مل جائے تو دعا قبول ہوئی اور نہ ملے تو قبول نہیں ہوئی ۔

اصل میں دعا کی قبولیت کی تین صورتیں ہیں ۔ مسند احمد حدیث نمبر **10709** میں ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان کوئی ایسی دعاء کرے جس میں گناہ یا قطع رحمی کا کوئی پہلو نہ ہو، اللہ اسے تین میں سے کوئی ایک چیز ضرور عطاء فرماتے ہیں، یا تو فوراً ہی اس کی دعاء قبول کرلی جاتی ہے، یا آخرت کے لئے ذخیرہ کرلی جاتی ہے، یا اس سے اس جیسی کوئی

تکلیف دور کردی جاتی ہے، صحابہ ﷺ نے عرض کیا اس طرح تو پھر ہم بہت کثرت کریں گے؟ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ اس سے بھی زیادہ کثرت والا ہے۔

اور صحیح مسلم **6936** میں ہے :

نبی ﷺ نے فرمایا جب تک آدمی کسی گناہ یا قطع رحمی اور قبولیت میں جلدی نہ کرے اس وقت تک بندہ کی دعا قبول کی جاتی رہتی ہے عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول جلدی کیا ہے آپ نے فرمایا وہ کہے میں نے دعا مانگی تھی میں نے دعا مانگی تھی

لیکن مجھے معلوم نہیں کہ میری دعا قبول ہوئی ہو پھر وہ اس سے ناامید ہو کر دعا مانگنا چھوڑ دیتا ہے۔

دعا مانگنے کے دو طریقے ہیں ۔

اسمائے حسنیٰ کو وسیلہ میں پیش کرکے اور نیک اعمال کو وسیلہ میں پیش کرکے ۔

دعائیں مانگتے رہے کیونکہ جو مانگا ہوا نہ بھی ملے ، عمل نامے میں عبادت اور امید لکھی جائے گی کیونکہ دعا اور امید عبادت ہے۔

ناامید ہو کر دعائیں مانگنا نہ چھوڑے۔

والله تعالیٰ اعلم